دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

عالم میں انتخاب
مصنوعی اجزا سے تیار کی جانے والی
اشیائے خور و نوش کے منفی اثرات سے آگاہی کے
بعد نسلِ انسانی ایک بار پھر فطرت کے آغوش
میں پناہ تلاش کر رہی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قدرتی اجزا کا مرکب
روح افزا اپنی فطری تاثیر، منفرد ذائقے اور
اعلا معیار کی بنا پر اقوامِ عالم میں
روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔
روح افزا
ہمدرد
انٹرنیشنل
Adarts-HRA 5.92

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد ــــ ۲۸
شمارہ ــــ ۱۱
ربیع الاول ــ ۱۴۱۴ھ
اگست ــ ۱۹۹۳ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰/ / ۴۳۵
کوڈ نمبر ۔ ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/ روپے فی پرچہ ۸/ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۷/ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ آغاز — مروجہ طریق انتخاب، سرمایہ دارانہ جمہوریت کا تحفظ ہے

ہر شخص جو کچھ بھی عقل و بصیرت رکھتا ہے ملک کے سیاسی حالات، سابقہ حکمرانوں کے کرتوت، سیاستدانوں کے اعمال اور سیاسی نظام کی ابتری کے پیش نظر وہ اس بات کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ ملک کے سیاسی نظام میں تغیر لازمی ہو گیا تھا اور اب کے انتخابات کے نتیجہ میں رونما ہونے والے تغیر کو روکنا بھی کسی انسانی طاقت کے بس میں نہیں ہے اس لیئے کہ وہ فطرت کے ناگزیر تقاضوں میں سے ایک ہے اور دنیا کے ہر شعبہ زندگی کی طرح سیاسی نظام میں بھی اس کا آنا لازمات میں سے ہے۔

آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا اصل فائدہ یہ ہے کہ وہ فطرت کے اسی تقاضے کو ایک پُرامن اور معقول راستہ فراہم کر دیتے ہیں جس میں وہ بغیر کسی الٹ پلٹ اور اکھاڑ بچھاڑ کے ایک غیر مقبول نظام کی جگہ دوسرا نسبتہً زیادہ مقبول نظام لے آتے ہیں اور ملک کے ارتقاء میں کوئی فساد انگیز خلل برپا نہیں ہونے پاتا اگر یہ راستہ کھلا نہ ہو تو فطرت اپنے تقاضوں کی تکمیل کے لیے پھر انقلاب کے وہ راستے کھولتی ہے جس سے بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے تختے الٹتے رہتے ہیں اور آج بھی الٹ رہے ہیں اور جن کی بدولت قوموں کے مزاج بسا اوقات ایسے بگڑتے ہیں کہ مدیوں تک سنبھلنے نہیں پاتے۔ منصفانہ انتخابات ہمیں اس پُرخطر راستے پر جانے سے بچا لیتے ہیں لیکن ان کا یہ حقیقی فائدہ ہم کو صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے ہاں انتخابات بالکل ایمانداری کے ساتھ آزادانہ فضا میں ہوں قوم کے ہر عنصر کو یکساں اور پورا موقع حاصل ہو کہ وہ اپنے خیالات اور پروگرام عوام الناس کے سامنے پیش کرے عوام الناس کو بے لاگ طریقے سے یہ موقع دیا جائے کہ وہ ہر ایک کی بات سنیں سمجھیں اور خود فیصلہ کریں کہ کس کا پروگرام ان کے نزدیک درست اور مفید ہے پھر جو شخص جس کے بارے میں اپنا ووٹ استعمال کرنا چاہے کسی دباؤ کے بغیر آزادی سے استعمال کرے۔

مروجہ سیاسی نظام کی ابتری اور بار بار کے انتخابات کے باوجود نظام حکومت کے اضمحلال اور عدم استحکام اور تمام خرابیوں کا بنیادی سبب یہاں کے طریق انتخاب کی خرابی ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ انتخابات کا موسم آ گیا ہے تو منصب وجاہ کے خواہشمند لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور دوڑ دھوپ کر کے یا تو کسی پارٹی

کا ٹکٹ حاصل کر لیا ہے یا آزاد امیدوار کی حیثیت سے اپنے لیے کوششیں شروع کر دی ہیں اس کوشش میں وہ کسی اخلاق اور کسی ضابطے کے پابند نہیں، کسی جھوٹ، کسی فریب، کسی چال، کسی دباؤ اور کسی ناجائز ہتھکنڈے کے استعمال میں بھی ان کو دریغ نہیں ہو رہا۔ جسے لالچ دیا جا سکتا ہے اس کا ووٹ لالچ سے خرید رہے ہیں جسے دھمکی سے مرعوب کیا جا سکتا ہے اسے مرعوب کر کے ووٹ حاصل کرتے ہیں جسے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اس کا ووٹ دھوکہ سے حاصل کرتے ہیں جس سے کسی تعصب سے اپیل کرنا ممکن ہے۔ اس کا ووٹ تعصب کے نام پر مانگتے ہیں اس گندے کھیل میں قوم کے شریف عناصر کیسے ٹک سکتے ہیں کہ میدان میں وہی لوگ آگے ہیں جنہیں نہ تو خدا کا خوف ہے نہ خلق کی شرم۔

ہر شخص جو کچھ بھی عقل رکھتا ہے ان حالات کو دیکھ کر خود یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ جب تک یہ طریقِ انتخاب جاری ہے کبھی قوم کے شریف اور نیک اور ایماندار آدمیوں کے ابھرنے کا امکان بھی نہیں ہے اسی طریقِ انتخاب کا تو مزاج ہی ایسا ہے کہ قوم کے بد سے بدتر عناصر چھٹ کر سطح پر آئیں اور جس بد اخلاقی اور بدکرداری سے وہ انتخاب جیتتے ہیں اسی کی بنیاد پر وہ ملک کا نظام چلائیں ہماری رائے میں اسی طریقِ انتخاب کو بدلا جائے اور اس کی جگہ ایک بہتر طریقے کو رواج دیا جائے ورنہ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہوں گے۔

آنے والے انتخابات کا جائزہ لینے کے لیے یہ پہلے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس نظام کا اصل جوہر کیا ہے ایک نظام اگر اپنے اندر کوئی افادیت رکھتا ہے تو وہ صرف اس صورت میں موجود رہتی ہے جب کہ اس کا اصل جوہر محفوظ ہو انتخابات کا اصل جوہر یہ ہے کہ ایک تو حکومت عوام کی معتمد علیہ ہو کار پردازانِ حکومت عوام کے حقیقی نمائندے ہوں جب تک رائے عام کی حمایت ان کو حاصل رہے وہ مناصب پر قائم رہیں اور جب عوام کا اعتماد کھو بیٹھیں تو وہ فوراً سبکدوش ہو جائیں۔ یہ جوہر جب تک کسی نظام میں محفوظ ہو وہ ایک جمہوری نظام ہے اور انسانی ترقی کے لیے اس کے مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا لیکن اگر یہ جوہر کسی طریقہ سے ضائع کر دیا جائے تو نظام کی دستوری ساخت ایسی ہو یا اس کے عملی طریق کار میں ایسے خلل موجود ہوں کہ یہ جوہر کام نہ کر سکے تو پھر چاہے ایک نظام کا ظاہری ڈھانچہ کتنا ہی جمہوریت نما کیوں نہ ہو دستور میں کیسی ہی مرعوب کن دفعات کیوں نہ موجود ہوں اور پارلیمنٹ اور اس کے انتخابات کا ڈرامہ کتنے ہی خوشنما طریقے سے کیوں نہ کھیلا جا رہا ہے، انتخابات انتخابات نہیں رہتے اور اس سے جن فوائد کی توقع کی جا سکتی ہے ان میں سے کوئی بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

بد دیانتی، دجل و فریب، منافقت اور مفاد پرستی اس جوہر کو کس طرح برباد کر دیتی ہے اس کا کھلم کھلا

اظہار سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں، ان کے تابع فرمان اخبارات، جھوٹے پروپیگنڈے کی ٹیکنیک اور دوسرے منفی اور متشدد طریق کار سے ہو رہا ہے۔

ہم کھلے آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ "سرمایہ دارانہ جمہوریت" فرد کی آزادی کا ڈھول خوب پیٹتی ہے مگر یہ آزادی فی الحقیقت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فرد سرمایہ دار طبقہ کے مفاد کے خلاف کوئی جنبش نہ کرے ورنہ پھر جمہوریت فاشزم کی سطح پر آ کھڑی ہوتی ہے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ زندگی کے موجودہ بگاڑ کو دور کرنے کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اصلاح کی دوسری کوششوں کے ساتھ نظام حکومت کو درست کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے اس لیے کہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق اور تقسیم رزق کی طاقتوں کے بل پر جو بگاڑ اپنے اثرات پھیلا رہا ہو اس کے مقابلہ میں بناؤ اور سنوار کی وہ تدبیریں جو صرف وعظ اور تلقین اور تبلیغ کے ذرائع پر منحصر ہوں کبھی کارگر نہیں ہو سکتیں لہذا اگر دینی قوتیں بھی فی الواقع اپنے ملک کے نظام زندگی کو فسق و ضلالت کی راہ سے ہٹا کر دینِ حق کی صراط مستقیم پر چلانا چاہتی ہیں تو ان کے لیے ناگزیر ہے کہ بگاڑ کو مسندِ اقتدار سے ہٹانے اور "بناؤ" کو اس کی جگہ متمکن کرنے کی براہ راست کوشش کریں ظاہر ہے کہ اگر اہل خیر و اصلاح کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو وہ تعلیم اور قانون اور نظم و نسق کی پالیسی کو تبدیل کر کے چند سال کے اندر وہ کچھ کر ڈالیں گے جو غیر سیاسی تدبیروں سے ایک صدی میں بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ تبدیلی کس طرح ہو سکتی ہے ایک جمہوری نظام میں اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ ہے انتخابی جدوجہد، رائے عام کی تربیت کی جائے عوام الناس کے معیار انتخاب کو بدلا جائے انتخاب کے طریقوں کی اصلاح کی جائے اور پھر ایسے صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پر پہنچایا جائے جو ملک کے نظام کو خالص اسلامی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور قابلیت بھی ـــــ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ مطالبہ صدا بصحرا ثابت ہوگا ارباب بست و کشاد کب اس پر توجہ دیتے ہیں تاہم احقاق حق اور اپنے فریضۂ منصبی کے پیش نظر کامیاب مستقبل کے نشانِ راہ بتا دیئے ہیں تاہم ایسے حالات میں بھی اگر امیدواروں کے علمی اور دینی تشخص کو ملحوظ رکھا گیا تب بھی نتائج نسبتہً حوصلہ افزا ہو سکتے ہیں۔

(عبدالقیوم حقانی)

جناب سفیر اختر صاحب

وسطی ایشیا اور برصغیر پاک و ہند

تاریخی تہذیبی ثقافتی، دینی اور علمی رشتوں پر ایک نظر

(۲)

چنگیز خان اور امیر تیمور گورگان اور اُن کے قریبی اخلاف کا جو تعلق برصغیر کی سیاست سے تھا، یہ مورخین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس پر مستزاد ان دونوں "حملہ آوروں" سے مغل بادشاہت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر (م ۱۵۳۰ء) کا نسبی تعلق تھا۔ وہ باپ کی جانب سے امیر تیمور گورگان کی اولاد میں سے تھا اور ماں کی طرف سے اُس کا سلسلۂ نسب چنگیز خان سے ملتا تھا۔ بابر کے حوالے سے بھی مورخین نے چنگیز خان اور تیمور کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔

چنگیز خان کے حوالے سے عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی کی تاریخ "تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الاعصار" معروف بہ تاریخِ وصّاف کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ تاریخ ۶۹۹ھ اور ۷۱۲ھ کے درمیان لکھی گئی تھی اور نظم و نثر کے صنائع لفظی و معنوی کے اعتبار سے نمایاں ہے۔ فارسی انشا پردازی کے ایک نمونے کی حیثیت سے اس کے منتخب حصے پنجاب یونیورسٹی کے نصاب "منشی فاضل" میں شامل رہے ہیں۔ اس کی جلد اوّل (تا اختتام عہد ارغون خان) شیخ محمد اقبال استاد اورینٹل کالج لاہور نے غیر ضروری عبارتوں اور اشعار حذف کرتے ہوئے مرتب کی تھی۔ نصابی کتاب ہونے کی حیثیت سے اس کی شرحیں، ترجمے اور فرہنگ تیار کیے گئے ہیں جن میں سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی کی "فرہنگِ تاریخِ وصّاف" کو طلبہ کے حلقوں میں پذیرائی حاصل رہی ہے۔

چنگیز خان پر مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ امریکی مصنف ہیرلڈ لیم کی تالیفات "چنگیز خان" اور BARCH OF THE BARBARIANS کے تراجم کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اُردو کے بلند پایہ مترجمین نے انہیں اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔ مولوی محمد عنایت اللہ، پروفیسر عزیز احمد اور بریگیڈیر گلزار احمد نے "چنگیز خان" کے الگ الگ تراجم کیے ہیں۔

امیر تیمور گورگان کے حوالے سے سب سے پہلے "تزکِ تیموری" یا "ملفوظاتِ صاحبقرانی" کا ذکر آنا چاہیے جسے امیر تیمور کی خود نوشت کی حیثیت سے بعض اہلِ قلم نے بہت اہمیت دی ہے، اگرچہ امیر تیمور کی جانب اس کا انتساب مشکوک ہے۔ "ملفوظاتِ تیموری" کے اُردو میں ایک سے زیادہ ترجمے ہوئے اور لوگوں نے امیر تیمور کے بارے میں اس کتاب سے اپنی رائے قائم کی۔

امیر تیمور کی سوانح حیات اور عہد پر جو متعدد کتابیں لکھی گئی، اِن میں نظام الدین شامی، شرف الدین یزدی اور عبداللہ ہاتفی کے "ظفر ناموں" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ نظام الدین شامی نے خود امیر تیمور کی فرمائش پر ۱۴۰۱ء اور ۱۴۰۴ء کے درمیان تیمور کے حین حیات "ظفر نامہ" مکمل کیا۔ ایک دوسرے مؤرخ حافظ ابرو نے ۱۴۲۵ء میں "ظفر نامہ شامی" کا ذیل مرتب کیا اور پھر شاہ رخ مرزا (م ۱۴۴۷ء) کے حکم سے تاج سلمانی نے "ذیل ظفر نامہ" کے نام سے شامی کی تالیف میں ۱۴۰۴ء سے ۱۴۱۰ء تک کے حالات شامل کیے۔

تیموری حکمران ابراہیم سلطان نے سرکاری کاغذات اور عینی شاہدوں کے بیانات، نیز پہلے سے لکھی گئی کتابوں کی مدد سے امیر تیمور کے حالات اور فتوحات پر تاریخ مرتب کی جسے شرف الدین علی یزدی نے اپنے خاص ادبی سلیقے سے ازسرِنو لکھا اور "فتح نامۂ تیموری" کا نام دیا۔ تاہم نظام الدین شامی کے "ظفر نامہ" کو اتنی مقبولیت حاصل ہو چکی تھی کہ شرف الدین یزدی کی کتاب بھی "فتح نامۂ تیموری" کے بجائے "ظفر نامہ" کے نام سے ہی مقبول ہوئی۔

ظفر نامہ تیموری (یزدی) پر انحصار کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمان جامی کے بھانجے عبداللہ ہاتفی نے (م ۱۵۲۱ء) تیمور کی فتوحات اور سیاسی کارناموں کو نظم کیا ہے جو "تیمور نامۂ ہاتفی"، یا "ظفر نامۂ ہاتفی" کے نام سے معروف ہے۔

اِن "ظفر ناموں" میں سب سے زیادہ مقبولیت "ظفر نامۂ یزدی" کو حاصل ہوئی ہے۔ بعد کے مؤرخین نے جن میں "روضۃ الصفا" اور "حبیب السیر" کے مصنف بالخصوص قابل ذکر ہیں، تیمور کے عہد پر لکھتے ہوئے اس پر انحصار کیا ہے بلکہ اکثر اس کی عبارتیں حذف واختصار یا تبدیلی الفاظ کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ "ظفر نامہ" نے تاریخ نگاری کا جو نمونہ پیش کیا، بعد کے آنے والوں نے ایران اور برصغیر پاکستان و ہند میں اِس کے تتبع کی کوشش کی۔

ظفر نامۂ یزدی اپنے موضوع کے لحاظ سے امیر تیمور اور اُس کے جانشینوں کی تاریخ ہے مگر حقیقتاً یہ اس دور کی ایسی عمرانیاتی دائرۃ المعارف ہے کہ اُس دور کے ہر طبقے کی زندگی اور معاشرت پوری جزئیات کے ساتھ محفوظ ہو گئی ہے ظفر نامہ وسطی ایشیا (افغانستان، ماوراء النہر، ایران، گرجستان، ارمنستان، قفقاز) برصغیر پاکستان و ہند اور ایشیائے کوچک کی سیاسی اور حکومتی تشکیلات کے بارے میں بنیادی اور اہم اطلاعات فراہم کرتا ہے۔

برصغیر کے مغل حکمرانوں کو "ظفر نامہ" سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ بابر کے خوش طبع دوست (اور ایک روایت کے مطابق سیکرٹری) زین الدین خوافی (م ۱۵۳۴ء) نے بابر کے حملۂ ہند (۱۵۲۶ء) کے ذکر میں لکھا ہے کہ اُس موقع پر بابر کے سپاہیوں میں سے بعض نے "ظفر نامہ" کا مطالعہ کیا تاکہ برصغیر کے جغرافیائی حالات سے آگاہ ہوں۔ اِس موقع

پرخواتی نے ظفر نامہ کے حوالے سے برصغیر کے حالات بیان کیے ہیں اور اپنے دور کے مشاہدات کے ساتھ ان کا تقابل کیا ہے۔ جہانگیر نے عبدالستار بن قاسم لاہوری سے "ظفر نامہ" کی تلخیص تیار کرائی تھی۔ اسی طرح شاہجہان نے بھی "ظفر نامہ" سے دلچسپی لیتے ہوئے اس کا ایک خلاصہ مرتب کرایا۔

برطانوی دور میں "ظفر نامہ" کو مولوی الہ داد نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی BIBLIOTHECA INDICA سیریز کے تحت مرتب کیا جو سوسائٹی کی جانب سے دو جلدوں میں ۱۸۸۷ء اور ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ "ظفر نامہ" کی اشاعت سے دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا۔ ظفر نامہ کے کلکتہ ایڈیشن میں کوئی اشاریہ شامل نہیں تھا۔ مولوی محمد شفیع (پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) نے اپنی ضرورت کے تحت اس کی پہلی جلد میں مذکور اشخاص اور اماکن کا اشاریہ تیار کیا اور دونوں جلدوں کے مضامین کی ایک فہرست اشاریہ مرتب کی۔ وہ "ظفر نامہ" پر مزید کام کرنا چاہتے تھے جس کا اظہار اُن کی یادداشتوں سے ہوتا ہے۔ اُن کی رحلت کے بعد یہ یادداشتیں پروفیسر سیّد وزیر الحسن عابدی نے مرتب کردی تھیں۔

تیموری عہد کی دوسری مبسوط تاریخ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی (م ۱۴۸۲ء) کی "مطلع السعدین و مجمع البحرین" ہے جو دو دفاتر (حصوں) میں منقسم ہے۔ دفتر اوّل میں "از زائش سلطان ابوسعید ایلخانی۔ تا ذکر وفات صاحبقران تیمور ہے۔ دفتر دوم "فرمانروائی شاہ رخ تا پایان فرمانروائی ابوالغازی سلطان حسین وسال ۸۷۵ھ" پر حاوی ہے۔ مولوی محمد شفیع نے "مطلع السعدین" کے دفتر دوم کا ابتدائی حصہ ۱۹۴۱ء میں اور آخری حصہ ۱۹۴۹ء میں مرتب کیا۔ (کل صفحات ۱۵۵۸) "مطلع السعدین" کے منتخب حصے منشی فاضل کے نصاب میں شامل کیے گئے اور طلبہ کی ضروریات کے لیے ان کے ترجمے اور فرہنگ مرتب ہوتے رہے۔

مولوی محمد شفیع کی "مطالعۂ تیمور" کی روایت کو ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے آگے بڑھایا اور تیموری سلاطین کے عہد کی فارسی شاعری پر وقیع مقالات لکھے۔

"ظفر نامۂ یزدی" کی کلکتہ، تہران اور تاشکند کی اشاعتوں کے بعد مدراس یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی و فارسی مولانا ابو ہاشم محمد یُوشع نے عبداللہ ہاتفی کا "ظفر نامہ" مرتب کیا جو یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

امیر تیمور کے حوالے سے بنیادی ماخذوں کی اشاعت کے ساتھ امیر تیمور متعدد مؤرخین کی توجہ کا مرکز رہا ہے مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی (م ۱۹۳۸ء) نے تین جلدوں میں "تاریخ اسلام" لکھی تو "وسطی ایشیا" کے حکمرانوں کے لیے کچھ صفحات مختص کیے۔ انہوں نے امیر تیمور اور سلطان بایزید یلدرم کی معرکہ آرائی پر ایک کتابچہ "جنگِ انگورہ" لکھا جو ۱۹۳۱ء میں الگ سے شائع ہوا تھا۔

ماضی قریب میں حقیقت وافسانہ کے امتزاج پر مبنی ہیرلڈلیم کی تالیف TAMERLANE کو بہت پڑھا گیا ہے۔ اس کا اوّلین ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ نے ۱۹۳۰ء میں کیا تھا۔ بعد میں پروفیسر عزیز احمد نے ایک نیا ترجمہ کیا اور ۱۹۵۶ء میں بریگیڈیر گلزار احمد کے قلم سے اس کا تیسرا ترجمہ شائع ہوا۔ امیر تیمور کے حوالے سے برصغیر کے فن تعمیر اور مصوری پر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور ان کے برادر عبدالرحمٰن چغتائی نے اُردو اور انگریزی میں چند مقالات لکھے ہیں۔

جسم وجان کے "فاتحین" کے حوالے سے جہاں چنگیز خان، امیر تیمور اور ان کی اولاد مطالعہ وتحقیق کا موضوع رہی ہے، وہیں فکر و ذہن کے فاتحین میں صوفیاء وعلماء اور اہل شعر وادب کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ گزشتہ صفحات میں وسطی ایشیا سے آنے والے صوفیاء اور علماء کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔ سلسلۂ خواجگان یا سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت میں خواجہ باقی باللہ نے بطور صوفی حصہ لیا مگر اُن سے پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر اس سلسلے کی تعلیمات سے اعتناء کر چکا تھا۔ بابر نے خواجہ عبیداللہ احرار کے رسالہ "والدیہ" (فارسی) کو ترکی میں نظم کیا تھا۔ خواجہ عبیداللہ احرار کی اولاد میں سے متعدد افراد برصغیر پاکستان وہند میں وارد ہوئے۔ اُن کے ایک پوتے خواجہ عبدالحق (بن خواجہ محمد عبداللہ) بابر کی ملازمت میں تھے۔ دونوں کے درمیان مراسلت رہتی تھی۔ مرزا کامران (فرزند بابر) خواجہ عبدالحق کا مرید تھا۔ اس خانوادے کے ایک بزرگ امیر ابوالعلاء نقشبندی (م ۱۶۵۱ء) تھے جو سلسلہ ابوالعلائیہ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔ برصغیر پاکستان وہند کے تیموری حکمرانوں میں نقشبندی سلسلے کی مقبولیت کا شاید ایک سبب یہ "تیموری" روایت بھی ہے۔

خواجہ باقی باللہ کے مرید وخلیفہ حضرت مجدّد الف ثانی تھے۔ اُن سے نہ صرف نقشبندی سلسلے کو برصغیر میں فروغ حاصل ہوا بلکہ مجدّدی بزرگوں کی مساعی سے افغانستان میں بھی مقبولیت حاصل کی۔ کابل کے ملّا شور بازار خاندان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ افغانستان کے شمال مشرقی کے علاقے کے نہری نظام کے بارے میں انیسویں صدی کے آغاز میں سیّد عزت اللہ نے "تاریخ منازل بخارا" میں نقل کیا تھا کہ یہاں کی ایک نہر کا محصول آبیانہ شاہ افغانستان کی طرف سے سرہند کی خانقاہ و مزار کے لیے وقف تھا۔

نقشبندی صوفیاء — خواجہ عبدالخالق غجدوانی، خواجہ عزیزان رامیتنی، خواجہ عبیداللہ احرار، خواجہ محمد پارسا اور شیخ یعقوب چرخی وغیرہ کی تالیفات برصغیر کے ہر اچھے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ برصغیر کے نقشبندی اہل طریقت نے نقشبندی سلسلے کے لٹریچر کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔ وسطی ایشیا کے نقشبندی بزرگوں کی تعلیمات عام کی گئی ہیں۔ نقشبندی متون کی ترتیب وتدوین اور ترجمہ وتلخیص کی روایت مسلسل چلی آرہی ہے۔ گزشتہ پچیس تیس برسوں میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (حیدر آباد۔ سندھ) ملک محمد اقبال اور محمد نذیر رانجھا نے وسطی ایشیا کے ان

نقشبندی بزرگوں کی کئی تالیفات جدید ترتیب و تدوین کے ساتھ شائع کی ہیں۔ سید امیر کلال (م ۱۳۷۰ء) خواجہ بہاءالدین نقشبند کے مرشد گرامی تھے۔ ان کے احوال میں ایک رسالہ "آگاہی سید امیر کلال" کے نام سے ملتا ہے۔ پہلی بار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی ترتیب و تدوین کے ساتھ شائع ہوا۔ [کراچی، مکتبہ اعلیٰ (۱۹۶۱ء)] اسی طرح انہوں نے سات رسائل کا ایک مجموعہ "رسائل مشاہیر نقشبندیہ" [حیدرآباد (سندھ): حاجی محبوب الٰہی (۱۹۵۸ء)] مرتب کیا جس میں خواجہ عزیزان رامیتنی کا رسالہ شریفہ، خواجہ محمد پارسا کا رسالہ قدسیہ، مولانا یعقوب چرخی کا رسالہ اُنسیہ اور خواجہ عبیداللہ کا رسالہ انفاس نفیسہ شامل ہیں۔

رسالہ قدسیہ کی ایک اشاعت ملک محمد اقبال (راولپنڈی) کی کاوش سے منصّہ شہود پہ آئی۔ [راولپنڈی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۵ء)] اس اشاعت کا متن محبوب المطابع۔ دہلی کی اشاعت (۱۳۰۸ھ) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی اشاعت (۱۹۵۸ء) اور چار خطی نسخوں کے تقابلی مطالعے سے متعین کیا گیا ہے۔

محمد نذیر رانجھا نے مولانا یعقوب چرخی کے رسائل۔ ابدالیہ، انسیہ، شرح اسماء الحسنیٰ اور حورائیہ [یا جمالیہ]۔ کے فارسی متن مرتب کیے ہیں اور اوّل الذکر دو رسائل کو اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔

فارسی متون

ابدالیہ، اسلام آباد: مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۸ء)

اُنسیہ، اسلام آباد، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۳ء)

دو اثر غیر چاپی یعقوب چرخی ("شرح اسماء اللہ الحسنیٰ" اور "حورائیہ") مجلّہ دانش (اسلام آباد) شمارہ ۱ (۱۴۰۵ھ)، ص ۱۲ - ۷۴

اُردو تراجم۔

ابدالیہ، لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن (۱۹۷۸ء)

اُنسیہ (مع متن)، اسلام آباد، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۳ء)

محمد نذیر رانجھا کی تقدیم و تعلیقات کے ساتھ شیخ محمد عالم صدیقی علوی کا تذکرہ "لمحات فی نفحات القدس" [اسلام آباد: مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۶ء)] بھی شائع ہوا ہے۔ یہ تذکرہ "شرح احوال و کرامات و اشتغالات و روابط بزرگان عارفانِ سلسلہ زکیہ جہریہ سمرقند و بخارا" سے متعلق ہے۔ مؤلف نے جس سلسلۂ تصوف کو "جہریہ" کا نام دیا ہے۔ یہ سلسلۂ خواجگان ہی کی ایک شاخ ہے جس کا نمایاں شعار ذکرِ جہر تھا اور یہ خواجہ محمد یوسف ہمدانی مرشد خواجہ احمد یسوی کی جانب منسوب ہے۔ اس کے برعکس خواجہ عبدالخالق غجدوانی ذکرِ خفی پر عامل تھے۔

وسطی ایشیا کے نقشبندی صوفیاء کے تراجم کے حوالے سے محمد نذیر رانجھا کے ساتھ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کا ذکر ضروری ہے ۔ انہوں نے خواجہ محمد پارسا کے رسالہ قدسیہ، مولانا یعقوب چرخی کے رسالہ انسیہ، خواجہ عزیزان رامیتنی کے رسالہ شریفہ اور خواجہ عبیداللہ احرار کے رسالہ انفاس نفیسہ کے تراجم "رسائل نقشبندیہ" [لاہور: مکتبہ نبویہ (س ۔ ن)] کے نام سے کیے ہیں ۔ مولانا یعقوب چرخی کے رسالہ انسیہ کا ترجمہ محمد نذیر رانجھا نے بھی کیا ہے دونوں تراجم کے تقابلی مطالعے اور فارسی متن سے مطابقت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نذیر رانجھا متن سے زیادہ قریب رہے ہیں ۔

برصغیر پاکستان و ہند میں وسطی ایشیا کی سیاست سے دلچسپی کا ایک دور وہ تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی مستقبل کے حکمران کی حیثیت سے اس خطے کے بارے میں سوچ بچار کر رہی تھی اور جب ۱۸۵۷ء کے بعد اسے شمال مغربی ہند کا اقتدار حاصل ہو گیا تو اس نے اپنے استعماری مقاصد کے تحت جو رویے اختیار کیے ، اس کا جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا جا چکا ہے ۔

۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب نے جہاں دنیا بھر کے اہل فکر کو "اشتراکیت" کے بارے میں واضح نقطۂ نظر اختیار کرنے پر آمادہ کیا، وہیں برصغیر پاکستان و ہند کے اہل فکر نے بھی اشتراکیت کی حمایت مخالفت یا دونوں انتہاؤں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا۔

برصغیر پاکستان و ہند کے مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی خدا بیزار فلسفۂ اشتراکیت کو مسترد کیا اور وسطی ایشیا پر اشتراکی تسلط کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن قرار دیا۔ استعماری روس کے بالمقابل امام شامل جیسے اہل عزم و حوصلہ کے کارناموں کی یاد تازہ کرتے ہوئے اشتراکیت کے خلاف مزاحمتی تحریک کے حق میں آواز بلند کی ۔ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ایک رکن مولوی عبدالولی صدیقی نے "وقائع تسلط روسیا بر آسیا" (فارسی) کے نام سے ایک کتاب لکھی اور وسطی ایشیا پر روسی تسلط کو تاریخی تناظر میں دیکھا ۔ یہ کتاب مؤلف نے ذاتی طور پر سلکو پہ ضلع جسر (بنگال) سے شائع کی تھی ۔

علمائے کرام کا وہ گروہ جو برصغیر کی تحریک آزادی میں "انقلابی" طریقے پر یقین رکھتا تھا اور پہلی عالمی جنگ کے دوران میں اُس نے جرمنی اور افغانستان کے تعاون سے آزادی کا خواب دیکھا تھا۔ اشتراکی انقلاب کے بعد اُس کی خوشی کی حد نہ رہی ۔ ان علماء کے نقطۂ نظر کو تقویت اشتراکی رہنماؤں کے اس رویے سے ملی کہ انہوں نے خفیہ معاہدوں سے پردہ اٹھا دیا جو اتحادی طاقتوں نے ترکی کے مستقبل کے بارے میں باہم کر رکھے تھے ۔ ان علمائے کرام اور کچھ پرجوش نوجوانوں نے اشتراکیت کو اسلام کی معاشی تعلیمات کے قریب دیکھا اور اشتراکیت کے الحادی فلسفے کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے اسلام کے مترادف قرار دیا ۔ مشیر حسین قدوائی، مولانا عبیداللہ سندھی

اور مولوی برکت اللہ بھوپالی کی تحریریں اِس زاویۂ نظر کی عکاس ہیں ۔

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور اس کی FRONT ORGANIZATIONS نے سوویت یونین کے معاشی و سیاسی نظام پر بڑی مقدار میں لٹریچر تیار کیا مگر یہ اشتراکی فلسفہ اور اشتراکی آمریت کی کامیابیوں کی مدح سرائی کے لیے وقف رہا ۔ اِس میں نہ تو وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو کوئی اہمیت دی گئی اور نہ اُن کے قوم پرستانہ جذبات کی عکاسی کی گئی ۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد نیم سرکاری اداروں ، آزاد تنظیموں اور دینی ۔ سیاسی جماعتوں نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے بالمقابل اسلام کے معاشی و سیاسی نظام کے خدوخال پیش کرنے شروع کیے ۔ مظہرالدین صدیقی سید ابوالاعلیٰ مودودی ، خلیفہ عبدالحکیم اور جماعتِ اسلامی پاکستان کے قلم کاروں کی تحریریں اس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں ۔ تحریکِ آزادی کے دوران میں اشتراکی ذہن رکھنے والے دانش وروں اور کمیونسٹ پارٹی نے آل انڈیا مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی کبھی حمایت نہ کی تھی البتہ انہیں انڈین نیشنل کانگرس کی " اشتراکیت " سے دلچسپی رہی ، تاہم تحریکِ آزادی کے آخری مرحلے میں ، جب تقسیمِ ہند نمایاں طور پر نظر آرہی تھی ، اشتراکی دانش ور اداھیکاری نے برصغیر کی " مسلم قومیت " کو تسلیم کرتے ہوئے اشتراکی قومیتی فلسفے میں اسے جگہ دی ۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اشتراکی ذہن نے قیامِ پاکستان کی بنیاد یعنی دینی شناخت کو تسلیم نہ کیا اور وہ مزدوروں کو " سرخ سویرے " کے نام پر منظم کرنے میں کوشاں رہے ۔ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں ، کچھ پاکستان کی جانبدارانہ خارجہ پالیسی اور کچھ روس کے اپنے تعصبات کے تحت ، سوویت یونین نے بین الاقوامی سطح پر آزاد ہندوستان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں پاکستان میں اشتراکی تنظیموں کے لیے سرکاری یا عوامی سطح پر کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو سکا ۔ جن سیاسی جماعتوں نے اپنے منشوروں میں " اشتراکیت " یا " سائنسی اشتراکیت " کو برائے وزنِ بیت شامل کیا تھا ، حقیقتاً وہ بھی مارکسٹ نہیں بلکہ سوشلسٹ ڈیموکریٹ جماعتوں کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ ان کو جو کچھ بُری بھلی پذیرائی حاصل ہوئی ، اس میں اشتراکی فلسفے سے زیادہ ان کے قوم پرستانہ نعروں کی کارفرمائی تھی ۔

عوامی جمہوریہ چین کی آزادی اور پھر روس ۔ چین کشمکش کے دور میں جب پاکستان کے تعلقات اپنے ہمسایہ ملک چین سے بہت بہتر ہو گئے اور پاکستان نے اپنے دوست کو " اقوامِ متحدہ " کی سلامتی کونسل میں لانے اور امریکہ کے ساتھ اس کے روابط استوار کرانے میں کردار ادا کیا تو پاکستان کے اشتراکیوں کو اشتراکیت کے حق میں چین ۔ پاکستان دوستی کی آڑ میں پروپیگنڈے کا موقع ملا ، تاہم جماعتِ اسلامی پاکستان اور بعض دوسرے اہلِ دانش نے اس صورتِ حال میں یہ بات واضح کی کہ ہمسایہ طاقت سے دوستی اپنی جگہ مگر جس طرح عوامی جمہوریہ چین اپنی آئیڈیالوجی کے خلاف کسی کو بشمول پاکستان ، مخالفت کی اجازت نہیں دیتا ، اِسی طرح پاکستان بھی اپنی اساس یعنی اسلام

کے بالمقابل کسی دوسری آئیڈیالوجی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی پاکستان کے ماہنامہ "ترجمان القرآن" (لاہور) کے اداریہ بابت جون ۱۹۶۸ء نے عوامی سطح پر متوازن نقطۂ نظر کو عام کیا ۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات گو ایک دستور ساز [اور قانون ساز] اسمبلی کے لیے تھے مگر اِن انتخابات میں ملک کے معاشی مسائل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی ۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی "عوامی لیگ" نے مغربی پاکستان کے ہاتھوں مشرقی پاکستان کے معاشی استحصال کو اپنی انتخابی مہم کا مرکزی مسئلہ بنایا ، اِسی طرح صدرِ پاکستان محمد ایوب خان کی پروردہ "بے لگام سرمایہ داری" کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں جو ناہمواری پیدا ہوچکی تھی ، اِس نے ملک کے غریب طبقے کے لیے "اسلامی اشتراکیت" میں جاذبیت پیدا کی ، گویہ جاذبیت نظریاتی سطح پر نہیں تھی بلکہ نئی سیاسی جماعت "پاکستان پیپلز پارٹی" نے اسلام کے اقتصادی نظام کو سوشلزم کے قائم مقام قرار دیا تھا ۔

۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء کے دو برسوں میں جہاں اشتراکی فلسفۂ حیات ، اِس کی کامیابیوں اور ناکامیوں ، اسلامی نظام حیات کے ساتھ اِس کے تقابل پر عوامی لٹریچر وجود میں آیا ، وہیں عملی سطح پر "وسطی ایشیا" کے مسلمانوں پر اشتراکیت کے جوئے تلے جو کچھ بیت رہی تھی ، اِس پر بھی لکھا گیا ۔ اس دور میں جن اہلِ قلم نے وسطی ایشیا کو اپنے مطالعہ کا مستقل موضوع بنایا ، اِن میں آبادشاہ پوری ، محمد حامد اور ثروت صولت کے نام نمایاں ہیں ۔ آبادشاہ پوری کی مختصر کتاب "مسلمان قومیں ۔ اشتراکیت کے سائے میں" اور جامع کتاب "روس میں مسلمان قومیں" نے ایک خلا پُر کیا ۔ ادارہ معارفِ اسلامی کراچی کے سیکرٹری ، پروفیسر خورشید احمد نے اپنے زیرِ ادارت ماہنامہ "چراغِ راہ" کا سوشلزم نمبر شائع کیا جس میں اسلام اور اشتراکیت کا دو نظاموں کی حیثیت سے تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا اور خصوصی شمارے کا ایک حصہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی حالتِ زار کے لیے مختص تھا ۔

آبادشاہ پوری اور پروفیسر خورشید احمد صاحبان کی کاوشوں کے نتیجے میں وسطی ایشیا پر تالیف و ترتیب کو ایک نئی جہت ملی اور آئندہ چند برسوں میں کچھ وقیع مقالات کے ساتھ چند کتابیں سامنے آئیں ۔

وسطی ایشیا سے دلچسپی کا ایک پہلو اس خطے کے سفرناموں کی اشاعت ہے ۔ قیامِ پاکستان سے پہلے آرمینیس ویمبری کی خود نوشت (جس کا بڑا حصہ وسطی ایشیا کی سیاحت پر مبنی ہے) کا ترجمہ "پروفیسر ویمبری کا سفرنامہ" قابلِ ذکر ہے ۔ آرمینیس ویمبری جسے عثمانی خلیفہ کے دوست ہونے کا دعویٰ تھا اور ترکوں سے اُس کی دلچسپی ، نیز مبینہ قبولِ اسلام نے برصغیر کے مسلمان اہلِ دانش میں اُس کا عمدہ IMAGE بنادیا تھا ، گو آج ہر شخص جانتا ہے کہ وہ برطانوی جاسوس کے طور پر سفر کرتا رہا تھا اور اُس کا قبولِ اسلام بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک TRICK سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا ۔

آرمینیس ڈیمبری کے علاوہ شوکت عثمانی کا سفرنامہ "میری روس یاترا" اہم ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا سفرنامہ ہے جو سوویت یونین کی آئیڈیالوجی سے نہ صرف متفق ہے بلکہ اسے عام کرنے کے لیے والہانہ جذبہ رکھتا ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے عشرت علی صدیقی نے اپنی یادداشتیں "لینن گراڈ تا سمرقند" کے نام سے مرتب کیں مگر انہوں نے کسی نظریاتی لاگ یا لگاؤ کا کوئی ثبوت نہیں دیا بلکہ ایک آزاد خیال، غیر جانبدار سیاح کے طور پر اپنی نگاہ مناظرِ قدرت اور لوگوں کی نشست و برخاست پر رکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بعض صحافیوں نے سوویت یونین کا دورہ کیا مگر انہیں وسطی ایشیا کی کسی ریاست میں جانے کا اتفاق نہ ہوا، ایسے سفرناموں کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف اُن سفرناموں پر ایک نظر ڈالنا مفید ہے جن میں "وسطی ایشیا" اور یہاں کی مسلم آبادی پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

۱۹۵۷ء میں روسی سفارت خانے کی تگ و دو اور خواہش پر جمعیۃ علمائے پاکستان کے ایک وفد نے مولانا عبدالحامد قادری بدایونی کی سربراہی میں سفر کیا۔ مولانا بدایونی نے سفرنامہ "تاثراتِ روس" کے نام سے مرتب کیا جو جمعیۃ علمائے پاکستان نے شائع کیا۔ وفد نے سرکاری پروگرام کے مطابق مزارات، مساجد، کتب خانے اور سرکاری مذہبی ادارے دیکھے۔ ۲۰ جون ۱۹۵۷ء کو وفد تاشقند پہنچا۔ مولانا بدایونی کے الفاظ میں۔

> حضرت مولانا قاضی ضیاء الدین صاحب ادارۂ دینیہ نے سو علماء و ائمہ مساجد کے ساتھ وفد کا استقبال فرمایا۔ تاشقند کی آبادی ایک ملین ہے۔ یہاں بیس مسجدیں ہیں جو سب کی سب آباد ہیں اور بازینت ہیں۔ (لوگ) ازبکی زبان بولتے ہیں۔ بوڑھوں میں نماز کی پابندی کا خاص طور پر شوق و جذبہ ہے، البتہ نوجوانوں میں کم ہے۔ مسلمان کافی خوشحال ہیں، راستے صاف ستھرے ہیں۔ مسلمان عورتوں میں پردہ تقریباً نہیں ہے۔
>
> ایک اور موقع پر "دینی زندگی" کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔
>
> مسجدوں کا انتظام الحمد للہ قابلِ قدر و استحسان ہے۔ ہر قاری خطبات عربی زبان ہی میں پڑھتا ہے، البتہ جمعہ کے خطبے سے قبل پاکستان و ہندوستان کی طرح ایک گھنٹہ ازبکی زبان میں مسائل و احکام بیان کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ معلومات و احکام دینی سے باخبر علماء ہیں.... مساجد میں مسلمان پوری طرح آزاد ہیں، نماز روزے کا کافی شوق موجود ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی کے وفد کے ایک رکن مولانا راغب احسن کو ان کے تاثرات سے چنداں اتفاق نہیں تھا۔ مولانا راغب احسن نے کوئی تفصیلی سفرنامہ تو نہ لکھا البتہ ایک تاثراتی مضمون میں واضح کیا کہ "پاکستانی علماء کے وفد کا دورہ آزاد نہیں بلکہ سرکاری نگرانی میں بالکل مقید دورہ تھا ـــــ دراصل وہ ہمیں کم چیزوں کو دکھانا اور کھیلوں، تماشوں اور ضیافتوں میں زیادہ مصروف رکھنا چاہتے تھے۔"

"تاشقند کی دینی زندگی کے بارے میں مولانا عبدالحامد بدایونی کے تاثرات اوپر درج کیے جا چکے ہیں، مولانا راغب احسن نے کیا محسوس کیا؟ اُن کے الفاظ ہیں۔

(تاشقند) ترکی سے زیادہ روسی شہر بنا دیا گیا ہے۔ وقت کا بیشتر حصہ دس گیارہ پرانی مسجدوں اور قبرستانوں کے دکھانے میں صرف کر دیا گیا حالانکہ ان مسجدوں میں صرف چند سفید ریش نہایت بوڑھے نمازی تھے۔ نوجوان نہ ہونے کے برابر تھے اور لڑکے تو بالکل نہ تھے۔

مولانا راغب احسن نے روسیوں کی سادگی، مہمان نوازی اور پُرجوش گرم دلی کی بے پناہ تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "روسی عوام قابلِ محبت قوم ہے۔ ان میں مغربی یورپ کی قوموں جیسا احساسِ برتری نہیں ہے۔

بعض حضرات کو "وسطی ایشیا" کے اکا دکا شہر دیکھنے کا موقع ملا مگر انہوں نے مستقل سفرنامے لکھنے کے بجائے اپنی خود نوشت تحریروں میں اپنے تاثرات شامل کیے ہیں۔ سید ذوالفقار علی بخاری کو "باکو" جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں کے کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ایک بات میں نے ایسی دیکھی کہ روسیوں کے جذبۂ حب الوطنی کی داد دینا پڑی۔ اس کتب خانے میں دنیا بھر کی ہر وہ کتاب موجود ہے جس میں کسی نہ کسی طرح آذربائی جان کا ذکر آیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کتاب کے مصنف کی تصویر بھی موجود ہے۔ ایک ولولہ اٹھا کہ لاہور، پشاور، ملتان، ٹھٹھہ اور ڈھاکے کا تذکرہ دنیا بھر کی کتابوں میں موجود ہے، ہم بھی اگر وہ کتابیں اکٹھی کریں جن میں ان شہروں کا تذکرہ ہے تو شاید ہمارے نوجوانوں کو بھی اس امر کا احساس ہو کہ ہم بھی کچھ تھے اور ہم بھی کچھ بن سکتے ہیں۔

برصغیر پاکستان و ہند سے "وسطی ایشیا" جانے والوں کے ذکر کے ساتھ وسطی ایشیا سے آنے والے سیاحوں کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ اگرچہ ان سیاحوں کی سفری یادداشتیں یا سفرنامے اُردو میں منتقل نہیں ہوئے اور اُن کے تاثرات سے اُردو خواں طبقہ ابھی تک ناواقف ہے۔ انیسویں صدی کے سیاحوں میں سے ایک حاجی زین العابدین مستقلی شاہ شروانی تھے۔ حاجی زین العابدین نے ترکی، ایران، عراق، مصر، اور خلیج فارس کی ریاستوں کے ساتھ برصغیر کی سیاحت کی تھی اور اپنی یادداشتیں "ریاض السیاحت" اور "بستان السیاحت" کے نام سے قلمبند کی ہیں۔ "بستان السیاحت" (تالیف ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱-۳۲ء) ایران سے شائع ہو چکی ہے جس میں سیاح مؤلف نے اپنے دیکھے ہوئے شہروں کا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کیا ہے اور اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ ڈھاکہ سے متعلق حصہ کا ترجمہ سہ ماہی بصائر (کراچی) میں شائع ہوا ہے۔

جناب طفیل محمد صاحب

ادعیہ ماثورہ۔ ادبی محاسن

دعا انسانی جبلت میں شامل ہے ۔ چنانچہ ہر دور کا انسان نہ صرف دعا کے مفہوم سے واقف تھا بلکہ جب بھی انسان، کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ' یا کسی مشکل سے دو چار ہوا ' اس نے دعا کو اپنایا اور اس میں اپنی مشکلات کا مداوا پایا ۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو سب سے پہلے دعائیہ کلمات سکھائے ۔ (۱) اس لئے جب انسانی صلاحیتیں اور مادی وسائل ناکام ہو جاتے ہیں تو انسان دعا کے ذریعے اپنے خالق حقیقی سے استعانت کرتا ہے ۔ جس کی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں شہادت دی ہے ۔

اذا مس الانسان ضر دعا ربہ	جب انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اپنے پالنے
منیبا الیہ (سورۃ الزمر ایت ۸)	والے کو ہمہ تن متوجہ ہو کر پکارتا ہے ۔

دعا کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسانی بھلائی ' بندہ و خالق کے تعلقات کی استواری ' انسان کی عاجزی اور رب العزت کی عظمت و کبریائی اور ابنائے آدم کی مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے ۔ اس لئے دعا کا بنیادی تصور خیر کی قوتوں کے فروغ اور شر کی طاقتوں کو نیست و نابود کرنے سے عبارت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں دعا کا تصور ضرور موجود رہا(۲)۔

دعا کے لغوی معنی پکارنا ' بلانا ' مانگنا ' التجا کرنا ' درخواست کرنا اور سوال کرنا وغیرہ کے ہیں ۔ جبکہ شریعت میں دعا کا اصطلاحی معنی ہے۔

الابتھال الی اللہ بالسئوال و الرغبتہ فیما عندہ من الخیر الا بتھال والتضرع الیہ فی تحقیق المطلوب وادراک المامول (۳) ۔"

ترجمہ = "سوال کے ذریعے اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا ' اللہ تعالی کے ہاں موجود خیر کے حصول میں اپنی رغبت اور خواہش ظاہر کرنا ' اپنے مقصد کو پانے کے لئے اللہ تعالی سے آہ و زاری کرنا اور اللہ تعالی

سے اپنی امیدوں کی بجا آوری کا نام دعا ہے ۔"

اس تعریف کی روشنی میں دعا دو چیزوں سے عبارت ہے ' خالق کائنات کے حضور اپنی عبودیت' احتیاج' عاجزی' کمزوری اور ضعف و رذالت کا اعتراف کیا جائے اور دلی یقین و اعتقاد کے ساتھ رب کائنات کی الوھیت' ربوبیت' قدر' عظمت و جلال اور رحمت و برکات کا اقرار کیا جائے۔ انسان جب اپنی بندگی و پستی اور خالق کون و مکان کی حاکیت' بالادستی اور آقائی کے قوی شعور اور احساس کے ساتھ اس کی بارگاہ سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کچھ مانگتا' کچھ چاہتا اور اپنی معروضات پیش کرتا ہے ۔ تو دعا کی حقیقت وجود میں آتی ہے ۔

جو انسان کے لئے بھلائی اور کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے ۔ انسان جب اپنی سراپا بندگی کا اظہار کرتا ہے ۔ تو دعا کا دوسرا عنصر ادا ہوتا ہے ۔

دعا کا مفہوم اور مقصد و منشاء اس امر کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ یہ عبدیت کی معراج ' عین عبادت بلکہ عبادت کا مغز اور انسانی بھلائی کی ضامن ہے ۔ اس لئے ادیان عالم کے تسلسل میں اسلام نے بھی دعا کی اہمیت ' ضرورت اور افادیت کو تسلیم کیا ۔ خالق ارض و سماء نے انسانوں کو اپنی عمومی تعلیم کے ذریعے سے سکھایا کہ جب میرے بندے مجھے پکارتے ہیں 'مجھ سے مانگتے اور سوال کرتے ہیں تو میں ان کی دعائیں سنتا ' ان کی حاجات پوری کرتا اور ان کی بگڑیاں بناتا ہوں۔(۴)

یہی وجہ ہے کہ خود رسالت ماٰب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن حکیم میں جابجا دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ۔ اھد نا الصراط المستقیم' خذا العفو وامر بالعرف اور رب زدنی علما" (۵) محسن انسانیت کو دعا سکھانے کی عمدہ مثالیں ہیں ۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی تعلیم دینے میں یہ حکمت بھی مضمر ہے کہ آپ کے ذریعے امت کا رشتہ خالق کائنات سے جوڑ دیا جائے ۔ قرآن و حدیث میں مذکور دعاؤں کو عام کیا جائے تاکہ انسان اپنے شب و روز اور ان کے تمام لحات میں اللہ تعالی کی رحمت و شفقت کا طالب اور انسانی بھلائی کا خواھاں رہے ۔

انسانیت کے غم گسار اور سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر نے اس حکم الہی پر جس عمدہ طریقے سے عمل کیا وہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سنہری باب ہے ۔ ایک طرف آپ نے اپنی امت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ دعا تمام نازل شدہ اور نازل ہونے والی مصیبتوں سے چھٹکارا دلاتی ہے اور جو بندہ اللہ تعالی کا فضل طلب نہیں کرتا ' اللہ تعالی اس سے ناراض ہوتا ہے کیونکہ تنگی میں فراخی کی امید

عمدہ عبادت ہے (۶) ۔

دوسری طرف آپ نے امت مسلمہ کو ایسی دعائیں سکھائیں جو زندگی کے کم و بیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں ۔ خوشی کا موقعہ ہو یا غمی کا ' انسان سو رہا ہو یا بیدار ہو' خواب دیکھ رہا ہو یا حقیقت کی گتھیاں سلجھا رہا ہو ' اطمینان کی کیفیت سے گزر رہا ہو یا خوف و ملال کی حالت سے دوچار ہو ' صبح کا وقت ہو یا شام کا 'ولادت کا مرحلہ درپیش ہو یا موت اور بعد الممات کی منازل ہوں ۔ ہر ہر لمحہ اور ہر ہر حالت کے لئے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مروی ہیں۔ یہ "ادعیہ ماثورہ" ہیں۔ انہیں ادعیہ مسنونہ بھی کہتے ہیں ۔ چونکہ یہ دعائیں حیات انسانی کے ہر ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں ۔ اس لئے ان کی تعداد کا صحیح شمار دشوار کام ہے ۔ امام ابو عیسی ترمذی نے اپنی "سنن" کے ابواب الدعوات میں چھوٹی بڑی ۲۵۴ دعائیں نقل کی ہیں ۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اہل علم نے بھی "ادعیہ ماثورہ" پر مستقل کتابیں (۷) تحریر کی ہیں ۔ جنہیں ترتیب زمانی کے مطابق مرتب کرنا بجائے خود ایک تحقیقی کام کا متقاضی ہے ۔ مزید برآں حدیث نبوی کی تمام کتب میں بھی دعا کے ابواب شامل کر دیئے گئے ہیں ۔ ہر کتاب کے مطالعہ سے "ادعیہ ماثورہ" کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے ۔

"ادعیہ ماثورہ" کی عبارات پر غور کیا جائے تو بعض ادعیہ صرف دو الفاظ پر مشتمل ہیں جیسے "سل تعد" (جو مانگو ملے گا) لیکن بعض ادعیہ طویل عبارات پر مشتمل ہیں ۔ جن کا بنیادی مقصد رب کائنات کی رحمت ' شفقت اور عنایات کا حصول اور انسانی ضروریات کی تکمیل ہے ۔ ان دعاؤں کے اسنادی پہلو پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ "ادعیہ ماثورہ" چونکہ عہد رسالت میں بھی معروف اور متداول ہو گئی تھیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت سی "ادعیہ ماثورہ" یاد کر لی تھیں وہ یہ دعائیں خود بھی مانگا کرتے اور تابعین کو بھی سکھایا کرتے تھے ۔ اس لئے "ادعیہ ماثورہ" کی اسناد قوی اور مرویات مضبوط ہیں ۔ اس بناء پر اہل علم کی یہ رائے ہے کہ "ادعیہ ماثورہ" کے الفاظ وہی ہیں ۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اس لئے یہ دعائیں انسانی قلب پر اثر انداز ہوتیں اور اللہ تعالی کے ہاں قبولیت پاتی ہیں نیز حدیث نبوی کے تحفظ و بقاء کی زندہ مثال ہیں ۔

"ادعیہ ماثورہ" کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا گیا ' محدثین کرام نے ادعیہ کے استنادی پہلو کو اجاگر کیا ۔ صحیح ' ضعیف ' احسن اور سقیم کا درجہ اور حکم متعین کیا ۔ انہیں روایت و درایت کے سنہری

اصول پر پرکھا ۔ اہل اللہ اور اصحاب تصوف نے "ادعیہ ماثورہ" کو اپنی عملی زندگیوں میں اپنایا ۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے خاص خاص ادعیہ کو اپنے سلاسل تصوف اور اوراد وظائف کے طور پر اختیار کیا اور عاشقان رسول نے "ادعیہ ماثورہ" کو حرز جان بنایا اپنی روحانی تسکین اور درجات سلوک طے کرنے کے لئے ان کا شب و روز ورد کیا ۔ اور جب یہ ادعیہ ان کے قلب و زبان پر جاری ہو گئیں تو صوفیائے کرام نے ان ادعیہ مبارکہ کو انسانی دکھوں کے مداوے اور بیماریوں کے علاج کے لئے استعمال کیا۔

ان سب پہلوؤں کی اپنی اپنی اہمیت اور افادیت ہے جن کا مطالعہ ایک علمی ضرورت ہے ۔ تاہم ہم اس مختصر سی تحریر میں اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ "ادعیہ ماثورہ" کا عربی زبان و ادب میں کیا مقام و مرتبہ ہے ؟ اور ادعیہ مسنونہ نے عربی زبان کو کیا کچھ دیا ہے ؟ اور ان کے ادبی محاسن کیا ہیں ؟ یہ موضوع بجائے خود بہت طویل ہے ۔ جس کا احاطہ اس تحریر م ، ممکن نہیں ہے ۔ اس لئے چند مثالوں کے ذریعے بات واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔

ظہور اسلام کے وقت عربی ادب کا جائزہ لیا جائے تو وہ غزل ' مدح ' ہجو ' فخر' انسانی اوصاف کے بیان اور مرثیہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہے ۔ جبکہ اسلام نے عربی ادب کو قرآن حکیم جیسا لازوال ادبی شہ پارہ عطا کیا۔ جو پوری انسانیت کے لئے بیک وقت کتاب رشد وہدایت بھی ہے ۔ اور ادبی شاہکار بھی ۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نے عربی ادب کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہ صرف ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کیا ' بلکہ جدید الفاظ ومعانی ' تراکیب' محاورات' مفاہیم اور ضرب الامثال کا ایک ایسا بحر بیکراں عطا کیا جس کی بدولت عربی ادب کو آداب عالم میں ارفع واعلی مقام میسر آیا۔

حدیث نبوی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ' انسان کے تمام قسم کے جذبات واحساسات کا اظہار کرتی ' تہذیب وثقافت کی تمام جہتوں کو واضح کرتی اور خالق اور بندے کے تعلق کو مختلف انداز میں بیان کرتی اور الگ الگ پیرایوں میں اجاگر کرتی ہے۔ جن کی معروف صورت "ادعیہ مسنونہ" ہیں ۔ جو ادبی شاہکار ہیں ۔ ان میں نہ صرف بیان' معانی ' بدیع وغیرہ کے اصول پیش نظر رکھے گئے ۔ بلکہ اقوال رسول میں الفاظ کی ساخت ' صرف ونحو کے قواعد اور لغت نویسی کے بنیادی نکات بھی موجود ہیں ۔ جن سے لسانی علوم کے ماہرین نے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف علوم کے مؤسسین اور ماہرین حدیث نبوی سے بھرپور انداز میں استشہاد کیا (٨)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر خالق ومالک کائنات سے اپنا تعلق اس طرح استوار کئے رکھا کہ اگر آپ کی حیات طیبہ کے لمحات شمار کئے جائیں تو ان کا ایک بڑا حصہ دعا کرتے گذرا ' سفر وحضر' سوتے ' جاگتے ' اٹھتے ' بیٹھتے نیز زندگی کے ہر لمحہ میں آپ مصروف دعا دکھائی دیتے ہیں ۔ نماز بھی دعا ہی ہے جو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔

حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جو آخری الفاظ ادا کئے وہ ' " اللھم بالرفیق الاعلی " (۹) دعائیہ کلمات ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "ماثورہ ادعیہ "کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ جن کا تاحال احاطہ اور تحقیقی مطالعہ نہیں ہوا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز(۱۰) اور جوہر ہے " اللہ تعالی کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ باعظمت نہیں ۔" دعا ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان براہ راست اپنے خالق ومالک سے مخاطب ہوتا۔ اس سے رازونیاز کرتا ۔ اپنی مشکلات پیش کرتا۔ رب کائنات کی عظمت کا اعتراف اور اپنی کم مائیگی ' بے چارگی اور ناتوانی کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی حاجات چاہتا اور حاجات پوری کرنے والے کی بندگی بجا لاتا اور اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی کہ روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھی اللہ تعالی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ' آپ نے مثال سے واضح فرمایا کہ نمک ختم ہو جائے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو۔ کیونکہ وہی انسانی ضرورتیں پوری کرتا ہے ۔ جب دعا پوری زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے تو وہ عربی ادب کو نیا محاورہ ' روز مرہ اور ضرب الامثال بھی عطا کرتی ہے نیز عربی ادب کو جدید پیرائیہ بیان اور ادبی محاسن عطا کرتی ہے۔ دعا کے ذریعے عربی ادب کو حفظ قرابت کا پیرائیہ بیان ملا۔ کیونکہ جاہلی ادب دعائیہ پیرائیہ بیان سے بہت حد تک خالی ہے ۔

اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح قرآن حکیم ادب ' معانی ' بلاغت یا نظم ونثر کی کتاب نہیں ہے۔ اسی طرح وحی غیر متلو ہونے کی حیثیت سے حدیث نبوی بھی نہ شعر ہے اور نہ ہی گنجلک اور مشکل نثر ۔ بلکہ یہ ابلاغ کا ایک ایسا موثر نمونہ ہے جو گفت وشنید ' طرز تخاطب اور ابلاغیات کے عمدہ پہلو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اور قرآن حکیم کی طرح ارشادات نبوی سے صرف' نحو' معانی' بیان اور بلاغت کی تقویت کے لئے مثالیں اخذ کی گئیں۔ جن احادیث کو ادبی استشھاد کے لئے پیش کیا گیا ان میں "ادعیہ ماثورہ " سرفہرست رہیں کیونکہ یہ انسانی قلوب میں راسخ اور زبانوں پر

جاری رہی ہیں۔

ادعیہ مسنونہ کے حوالے سے اللہ تعالٰی نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سکھایا تھا اور بہت ہی عمدہ سکھایا۔ ادبنی فاحسن تادیبی (۱۱) اسی لئے آپ افصح العرب والعجم کے اعلی منصب پر فائز ہوئے۔ اور آپ کو اپنی بات عمدہ ترین طریقے سے انسانوں تک پہنچانے کا حکم ہوا۔

"وقل لهم فی انفسهم قولا بليغا" (النساء: ٦٣)

آپ انہیں واضح انداز میں بات کہیں " اس آیت کی تفسیر میں تحریر ہے **"قولا بليغا انفسهم وموثرا فی قلوبهم"** (۱۲) - آپ عمدہ طریقے سے پیغام پہنچایئے جو نفوس میں راسخ اور قلوب پر اثر انداز ہو۔

ایک اور تفسیر میں تحریر ہے رجل بليغ يبلغ بلسانه كنه مافی قلبه (۱۳) بلیغ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی دلی کیفیت اپنی زبان کے ذریعے دوسروں تک پہنچا دے صاحب جوامع الکلم نے یہ کام انتہائی عمدہ انداز میں سرانجام دیا۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو اور ابلاغی خوبیوں کے بارے میں یہ کہا۔

" كان رسول الله صلی الله عليه وسلم متواصل الاحزان ' دائم الفكر ' ليست له راحته ولا يتكلم فی غير حاجته' طويل السكوت يفتح الكلام ويختمه باشراقه' ويتكلم جو امع لكلم (۱۴)۔"

(الترمذی باب الشمائل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیہم غم وحزن کا پیکر رہتے ' ہمیشہ غور و خوض کرتے رہتے انہوں نے پر راحت زندگی بسر نہیں کی' وہ بلاضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے' آپ لمبی خاموشی اختیار کئے رہتے 'گفتگو کی ابتداء وانتہاء واضح انداز میں فرماتے اور آپ کی صفت "جوامع الکلم" ہے۔

یہ حدیث ادعیہ کے اسلوب' ان کے پر مغز ہونے اور ان کی ادبی حیثیت واضح کرنے کی عمدہ دلیل ہے۔ کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بلاضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ گویا آپ کا زندگی بھر دعا فرمانا یہ رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ دعا انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں ہے کہ آپ "جوامع الکلم" کے اعلی منصب پر فائز ہوئے۔ گویا اپنی زبان مبارک سے جو الفاظ بھی ادا کرتے وہ ادب پارہ ہوتے تھے۔ لہٰذا آپ ادعیہ مسنونہ عربی ادب کا شہ پارہ اور

اعلی ادبی محاسن کا مجموعہ ہیں۔

دعوت اسلامی کا بنیادی مقصد انسان کو خالق کائنات کے حضور جھکانا اور انسانوں کو شرک کی جملہ اقسام سے پاک کرنا ہے ۔ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مقصد ہر وقت عیاں رہتا ہے ۔ اس کا اظہار ادعیہ میں جس کثرت سے ہے ۔ اس کی مثال کسی دوسری صنف سخن یا نوع ادب میں ملنا دشوار ہے ۔ یہ دعا ملاحظہ فرمایئے۔

" اللھم انی اعوذبک من سخطک ' واعوذبک بمما فاتک من عقوبتک ' لا احصی ثناء علیک ' انت کما اثنیت علی نفسک (۱۵)"

ترجمہ : اے پروردگار! میں تیری سختی سے پناہ چاہتا ہوں ' تیرے عذاب سے درگذر کرنے کے ذریعے پناہ چاہتاہوں' میں تیری بے حد وحساب ثناءٴ نہیں کر پاتا ' جیسے تو نے اپنی ذات کی خوبی بیان کر دی ۔

" ادعیہ ماثورہ" میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض الفاظ کو بار بار دہرایا کرتے تھے تاکہ ان کا مدعا سمجھ میں آجائے۔ اور ان کا مفہوم انسانی قلب ودماغ میں جاگزین ہو جائے ۔ دعا میں جب رحمت عالم کلمات کو باربار ادا کرتے ہیں ' تو اس وقت وہ اپنی عاجزی اور انکساری ' اللہ جل شانہ کی عظمت وجلال کا اعتراف کرتے اور مکرر الفاظ کے مطالب کو بار بار پیش کرکے ان کی قبولیت کے لئے حریص ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا سات بار پڑھا کرتے تھے۔

بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر(۱۶)۔

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا اور اس کی قدرت اور عزت کے ذریعے شیطان سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو تکلیف پہنچی یا پہنچائی گئی اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ مریض کی عیادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے۔ "اذھب اباس رب الناس" اے انسانوں کے پروردگار اس بیماری (تکلیف) کو ختم کر دے۔

" ادعیہ ماثورہ " کے ادبی محاسن کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔ ادعیہ کی کثرت اور ادبی محاسن کے مختلف پہلوؤں پر ان کا اطلاق ایک وسیع تر موضوع ہے ۔ اس لئے کسی مختصر تحریر میں ان سب امور کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم دعاؤں کی ترکیب ' عبارات کے فنی اور ادبی محاسن

' الفاظ کا انتخاب ' مترادف یا متبادل الفاظ کے استعمال میں احتیاط ' بعض الفاظ کو بار بار دعاؤں میں شامل کرنا اور خاص خاص مواقع کی "ادعیہ ماثورہ" کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ "ادعیہ ماثورہ" کا آغاز عام طور پر ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

اللھم - ربنا- اعوذبک اسالک اور سبحان اللہ۔

بظاہر یہ الفاظ بہت آسان معلوم ہوتے ہیں - روز مرہ بلکہ ہر روز کئی بار استعمال ہونے کی وجہ سے یہ سب الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر رواں دواں ہیں - لیکن ان میں سے ہر لفظ کی اپنی ادبی قدرو قیمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں " فواتح الدعا" کے طور پر منتخب کرکے لسانی ' ادبی ' حفظ مراتب اور انسانی ضروریات کے تقاضوں کو پورا فرمایا ہے۔

اگر ادعیہ کا جائزہ لیا جائے تو وہ عام طور پر دو طرح کی ہیں - ایسی ادعیہ جن میں خالق حقیقی کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے ' ایسی ادعیہ کا مفہوم مثبت ہوتا ہے اور ان دعاؤں میں اللہ تعالی سے کسی نعمت کے عطا کرنے کی التجا کی جاتی ہے - ایسی دعاؤں کا آغاز عموما" ' "اللھم" یا "ربنا" کے الفاظ سے ہوتا ہے -

اللھم میں مذکور لفظ "اللہ" اسم ذات الہی ہے اس کی نہ جمع ہے اور نہ ہی تانیث - عرب معاشرے میں شرک کا دور دورہ تھا - لیکن وہاں بھی اس لفظ کا نہ مفہوم تبدیل ہوا اور نہ ہی یہ اسم پاک کبھی کسی بت کے لئے استعمال ہوا - اس لفظ کا اشتقاق "الہ" سے ہے اور اس پر الف لام تعریف کا اضافہ کرکے "اللہ" بنا - اس لفظ کا اصل مادہ "ال ہ" ہے جو سامی زبانوں میں معبود کے معانی واضح کرتا ہے - بعض اہل لغت نے اس لفظ کو "ول ہ" سے مشتق قرار دیا ہے ' جس کا مفہوم ورطہ حیرت میں ڈالنا اور عاجز کرنا ہے کیونکہ عقل اس ذات کی حقیقتوں کے ادراک سے عاجز اور حیران ہے ' اس لئے اللہ تعالی کی ذات عقل کی حد بندیوں اور پہنائیوں سے بالا تر ہے (۱۷) - یہ لفظ دور جاہلیت میں بھی متداول تھا - اس لئے مقاطعہ قریش کے وقت صلح نامے پر "باسمک اللھم" لکھا گیا۔ (۱۸) جو اللہ جل جلالہ کی عظمت اور ہیبت کا آئینہ دار تھا -

لفظ "اللہ" کے اصلی حروف تین ہیں - اہل لغت کی رائے ہے کہ یہ تینوں حروف الگ الگ بھی ذات باری تعالی کے لئے استعمال ہوتے ہیں - مثلا لفظ اللہ سے اگر الف الگ کر دیا جائے تو "للہ" باقی رہ جاتا ہے پھر ل جدا کیا جائے تو "لہ" بچے گا اور دوسرا لام کم کیا جائے تو "ہ"

باقی رہتا ہے ۔ یہ سب الفاظ واجب الوجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔ (۱۹) اور "ادعیہ ماثورہ" میں اسم ذات کا استعمال انسان کی عاجزی اور انکساری کی دلیل اور خالق کائنات کی عظمت و جلال کا عکاس ہے جو دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

"ادعیہ ماثورہ" کے آغاز میں کثرت سے استعمال ہونے والا دوسرا لفظ "ربنا" ہے ۔ ماہرین لسانیات کی رائے ہے کہ لفظ "رب" تمام سامی زبانوں میں موجود ہے اور پرورش کے معانی ظاہر کرتا ہے ۔ جب کہ عربی زبان میں لفظ "رب" معمولی پرورش تک محدود نہیں بلکہ یہ لفظ "مکمل نشوو نما" ارتقاء اور پرورش کی حد تام کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے ۔ (۲۰) لفظ رب + نا کہہ کر انسان اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہمارا پالنے والا اور ہماری پرورش کرنے والا ہے ۔ اس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا اور اپنی ربوبیت سے پرورش کی (۲۱) ۔ اب اگر انسان کی کوئی حاجت یا ضرورت ہو تو وہی مسبب الا سباب اور فیض رساں ہے ۔ اس لئے وہ انسان کی تمام حاجات پوری کرنے والا ہے۔

قرآن و حدیث کی اکثر دعاؤں کا آغاز لفظ "ربنا" سے ہوتا ہے ۔ یہ لفظ ادا کرتے وقت انسان کے دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں ۔ گویا یہ لفظ بندے اور اللہ کو باہم ملانے کا ذریعہ ہے ۔ کیونکہ بندے پروردگار عالم کی صفت ربوبیت کا اقرار کرکے اس کی رحمتوں ، برکتوں اور نعمتوں کے خواستگار ہوتے ہیں ۔ اس طرح اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور انسانی دعائیں شرف قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

دعاؤں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے ۔ جن کے ذریعے سے رب کائنات کے حضور یہ التجا پیش کی جاتی ہے کہ وہ انسانوں کو ہر طرح کی آزمائشوں اور شرو بلیات سے محفوظ رکھے ۔ ایسی ادعیہ کا آغاز عام طور پر "اعوذ" یا "نعوذ" کے لفظ سے ہوتا ہے ۔ اس لفظ کا مفہوم "پناہ مانگنا" ہوتا ہے ۔ یہی وہ لفظ ہے جس کے ذریعے اسلام میں شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ (۲۲) ارشادات نبویؐ کی روشنی میں جب مسلمان اپنی دعاؤں کا آغاز لفظ "اعاذہ" سے کرتے ہیں تو وہ اس سچائی کا بصدق دل اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے ابلیس کے چنگل میں پھنس کر یہ برائی کی ہے ، یا ہمیں خدشہ ہے کہ ہم ابلیس کے بہکاوے میں آکر برائی کا ارتکاب نہ کریں ، یا کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں اس طرح "اعاذہ" کے ذریعے شیطان سے پناہ چاہنے کے ساتھ ساتھ انسان رب

کائنات کی شفقتوں، عنایات اور رحمتوں کا طالب بھی ہوتا ہے۔ ادبی نقطہ نظر سے یہ لفظ شیطانی وسوسوں اور بری تدابیر نیز انسانی نفس کی اپنی تمام خرابیوں سے بچنے کے جملہ امور کا احاطہ کرتا ہے۔ لہذا وہ لفظ "صیانہ" "وقایہ" یا حفاظت سے نہ صرف زیادہ بلیغ ہے بلکہ وسیع تر مفہوم کا حامل بھی ہے۔ اس لئے "ادعیہ ماثورہ" میں سے کثیر دعاؤں کا آغاز اسی لفظ سے ہوتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث اور دعاؤں کی کتابوں میں موجود ہیں۔

دعاؤں کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو مثبت اور منفی دونوں طرح کے امور پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ قسم بندے کے کمزور ناتواں اور عاجز ہونے کی عکاس ہوتی ہے کہ انسان ایک فقیر اور سائل ہے جب کہ اللہ تعالی ہی حقیقی عطا کرنے والا اور "ان داتا" ہے ایسی دعاؤں کی ابتداء میں "اسالک یا نسئلک" کے الفاظ ملتے ہیں۔ لفظ سوال کو دعاؤں کے شروع میں لانے میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ دست سوال اسی کے حضور دراز کیا جاتا ہے جس سے سوال پورا ہونے کی توقع اور آرزو ہو۔ (۲۳) اس لئے انسان اس ذات ستودہ صفات کے حضور ملتجی ہوتا ہے جس کی رحمت ہر چیز پہ سایہ فگن ہے اور تمام نعمتیں جس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور وہ انسانوں کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے (۲۴)۔

جن دعاؤں کا آغاز لفظ "سبحان" سے ہوتا ہے ان میں اللہ تعالی کی کبریائی اور عظمت و جلال کو ذریعہ بنا کر انسان اپنی حاجت بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہے۔ لفظ "سبحان" سبح یسبح تسبیحا باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور پاک ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔

" علم للتسبیح کعثمان للرجل ' وانتصابہ بفصل مضمر ' و د ل علی التنزیہ البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیہ اعداء اللہ " (۲۵)

ترجمہ : (لفظ سبحان) تسبیح کا مصدر ہے جس طرح عثمان ہے جو کسی شخص کا علم ہوتا ہے۔ اس کا فعل مضمر ہے۔ جس کی وجہ سے لفظ سبحان منصوب (زبر والا) ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی تمام ان کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک ہے جو اللہ تعالی کے دشمن (کفار) اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مفسر آلوسی سے نقل کی ہے۔

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ صدر مجلس علمی کراچی

مروجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ

اور

اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام ایک نہایت اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار

(۲)

جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و ممنوع ٹھہرایا ہے، اگر وہ اس پر غور فرماتے اور اس میں وہ حضرات مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور اُن سے فائدہ اٹھاتے جو انھوں نے اپنی تفاسیر کے اندر ربٰو کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت سے متعلق تحریر فرمائی ہیں، اور پھر اُس کی روشنی میں موجودہ معاشی نظام کے اُن پہلوؤں کا گہرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اُوپر ذکر کیے گئے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پہلوؤں میں بھی وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بینکوں والا سُود حرام و ممنوع ہے، لہٰذا وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ معاشی نظام کے یہ پہلو اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی بنیادی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشی نظام سرمایۂ دارانہ ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو قانوناً جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کونسی قسم جائز ہے اور کون سی قسم ناجائز، اس میں سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کن حالات میں شرح سود کتنی ہونی اور کتنی نہ ہونی چاہیئے، بہرحال چونکہ نظام سرمایۂ داری میں انٹرسٹ یعنی سود کوئی بری چیز نہیں لہٰذا اس کے تمام اداروں میں سود کا عنصر کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ، درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ، جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجارے اور کرایہ داری کا ادارہ، گویا نظام سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری ساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری ساری ہوتا ہے بنابریں نظام سرمایۂ داری کو بحیثیت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اُس کے کسی ایک جزء مثلاً بینکاری کے ادارہ کو سُود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا، ایک بالکل ناکام اور لاحاصل کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزء کا مزاج ہمیشہ کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ

مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں بینکوں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنانے کے لیے ماہرین اقتصادیات کا ایک پینل تشکیل دیا جس میں اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی بعض ارکان شریک تھے، اس پینل نے طویل محنت وکاوش کے بعد ایک کافی مفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا "بلاسود بینکاری" اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ شکل ہے وہ قطعی طور پر سودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لیے متبادل کے طور پر متعدد تجاویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سودی بھی ہوگی اور اسلامی بھی، لیکن اسی پینل کے ایک ممبر نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق وریسرچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اُس ممبر سے میری مراد پروفیسر شیخ محمودؒ احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے لاہور میں انتقال ہوا، پینل کی رپورٹ کے متعلق اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے متبادل جتنے معاملات پیش کیے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت غرض اور معروضی نتائج کے لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہٰذا غیر اسلامی ہیں، علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے متبادل تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ "نفع ونقصان میں شراکت" کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اُس کا نفاذ بھی عمل میں آیا، متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتلایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت غرض وغایت اور اپنے معروضی اثرات ونتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے، اس پر میرا بھی ایک مضمون متعدد ماہناموں اور ہفت روزوں میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا اور علماء کرام کی نظر سے گزرا اور کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک ومعاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اُس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکثرت شکلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لیئے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایہ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہوگا، لہٰذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے یعنی وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو۔ اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لیے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الاداء قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو، مالی لین دین کا یہ طریقہ، سودی طریقہ کہلاتا ہے، بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال والے فریق کے لیے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو، مثلاً مضاربت کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی ضمانت

نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس میں مال والے فریق کام کرتے والے فریق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الاداء قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے، امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی سماوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مقروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا، للذا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربت کی بنیاد پر نہیں چل سکتا، مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جاسکتا ہے وہ مغالطے کا شکار ہیں اور دھوکے میں بتلا اسلامی بینکاری کے لیے یار لوگوں نے مختلف ناموں سے اَب تک جتنے طریقے تجویز کیے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لیے متبادل طور پر تجویز کیے گئے ہیں، ان متبادل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات ونتائج سو فیصد ویسے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ جب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو نیا بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی نتائج واثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں جو غنی ومالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدے اٹھا رہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نئے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اب بھی دولت کی گردش انہی لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی، عام آدمی کو جو اپنی خستہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نئے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو گویا معاشرے کی بچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کی لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو وہ عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً برابر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور متنفر ہو جائیں یہ بھی بعید از عقل نہیں، رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع ملے گا، بہرحال ایسی صورت میں اسلام کی بدنامی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصور وار اسلام کے وہ نادان دوست ہونگے جو بغیر سوچے سمجھے بے احتیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال

کے صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق بخشے۔

قارئین کرام! ضمنی لیکن نہائت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، میں سمجھتا ہوں گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ اس وجوہ بھی نقاب کشائی ہوگئی ہے جن کی بنا پر یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

اب میں کچھ اس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لیے ضروری ہے۔ طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دلی خواہش و آرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم ہو، لیکن اس عالم اسباب میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسباب مہیا ہو جائیں جو قدرتی طور پر اس کے لیے مقرر ہیں، یہاں مثلاً ایک بھوکے پیاسے انسان کی بھوک پیاس، محض کھانے اور پانی کی خواہش و آرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اس وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کر کے کھایا اور پیا جاتا ہے، اسلام چونکہ اسی اللہ رب العٰلمین کا ہدایت کردہ دین ہے جس نے عالم اسباب کو پیدا فرمایا ہے لہٰذا اسلام کی مسلمانوں کے لیے یہ تعلیم اور ہدائت ہے کہ وہ ہر مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے وہ اسباب و وسائل مہیا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لیے اللہ تعالےٰ مسبب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں، مطلب یہ کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ ضروری اسباب مہیا کرنے کے بعد نتیجہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسے کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہر مقصد سے پہلے اس کے لیے ضروری اسباب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لیے اللہ سے دعا کی، محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا، لہٰذا اتباع سنت نبوی کے تحت ہم مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہر نیک مقصد کو حاصل کرنے سے پہلے ان اسباب کو معلوم کریں جن پر اس مقصد کے حصول کا دار و مدار ہے اور پھر ان اسباب کو مہیا کرنے کی ہر ممکن سعی و کوشش کریں اور کامیابی کے لیے نہائت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ہاتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

بہرکیف معاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصد ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اس طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے، جو اس عالم اسباب میں اس کے لئے مقرر ہے، جہاں تک اس بارے میں میرے علم و فہم اور غور و فکر کا

تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن وحدیث کی روشنی ورہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی وفکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہیئے ، مطلب یہ کہ اس اہم علمی وفکری کام کو انجام دینے کے لیے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہیئے جو قرآن وحدیث کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف وآگاہ ہوں ، نیز ضروری ہے کہ اس کے ارکان کھلے ذہن کے ساتھ غور وفکر اور استنباط واستخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطقی طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیہ کے اندھے مقلد نہ ہوں شخصیت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں ، اس جماعت کے ارکان کے لیے جدید معاشی علوم وافکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن وحدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم ومطلب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے ، اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتہادی نوعیت کا ہے لہذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت استنباط واستخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے فقہی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل ناپید اور مفقود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش وجستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کرام کو تلاش کرکے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ۔ اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیر سرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کرسکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر حکومتی اور غیر سیاسی علمی ودینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرانا چاہیئے حکومت کے کسی ادارے سے ہرگز اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے وجہ ظاہر ہے کسی بیان کی ضرورت نہیں ۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گذشتہ تیس سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا ، سوچا اور پھر لکھا بھی ہے جس کا کچھ حصہ علمی ودینی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچوں میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا ، اس عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے ، سوچنے اور غور وفکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قرآن وحدیث میں معاشی نوعیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی مواعظ وترغیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسری وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام وقوانین کی ہے ، ان تین طرح کی معاشی تعلیمات

کے مابین کئی وجوہ سے فرق ومغائرت ہے، اوّل الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں رضاکارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرے کے لیے ایثار کرنا، بالفاظ دیگر اپنی مرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ قانوناً حقدار نہ ہو، ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنے ہیں معاملات میں ہر فریق کو اُس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملنا، اور ثالث الذکر وقتی اور عبوری قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتاً جو بہتر ہو اس کو اختیار کرلینا، دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے درمیان فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ اوّل الذکر اخلاقی معاشی تعلیمات کی شرعی حیثیت نفل اور مستحب کی ہے جن پر عمل کرنے نہ کرنے کا بندۂ مومن کو اختیار ہوتا ہے، چاہے تو اُن پر عمل کرے اور چاہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عنداللہ بڑے اجروثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عنداللہ نہ گناہ ہے اور نہ موجب عذاب، اسلامی حکومت اُن کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کرسکتی ہاں ترغیب ضرور دلاسکتی ہے مثلاً جو افراد اُن پر عمل کریں اُن کو قومی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے، جب کہ ثانی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازمی وضروری ہوتا ہے گویا یہ اختیاری نہیں جبری نوعیت کی ہیں، اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجروثواب نیکی اور خلاف ورزی موجب عقاب وسزا جرم وگناہ ہے، اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی پر شہریوں کو مجبور کرسکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے، اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہیں مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت اُن کی پابندی پر مجبور کرسکتی ہے، تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق ومغائرت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں اُن پر عمل کے نتیجہ میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہوجاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال وتوازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آجاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ جب کہ احسان وایثار پر مبنی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون بخش خوشگواری پیدا ہوتی اور عمل کرنے والوں کو اخلاقی وروحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرنا اور اُن کو نفع اور راحت پہنچانا، ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحسن سمجھا جاتا اور عمل کرنے والے کی تکریم وتوقیر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچھائی وسچائی ہے۔ رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتی مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں اُن پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم وفساد میں کچھ کمی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نسبتاً بہتر بن جاتی ہے، چوتھی

وجہ ان تین قسم کی معاشیات تعلیمات کے درمیان فرق و مغایرت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی قوانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی، جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی نوعیت کی تعلیمات ہیں اُن کی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح وقتی مصلحت پر مبنی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں اُن کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک متعین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیر التعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اس کی وجہ یہ کہ اوّل الذکر تعلیمات جس عدل پر مبنی ہیں اُس میں مساوات و برابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر مبنی ہیں اُس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر مبنی ہیں اس میں کم اور ادھورے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہٰذا عدل و مساوات پر مبنی تعلیمات بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہٰذا زیادہ اور کم پر مبنی تعلیمات کی بکثرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے میرا یہ کام کر دو تو اس کی اجرت مثلاً دس روپے ہوگی دوسرا وہ کام کر دیتا ہے تو دس روپے کا حقدار ٹھہرتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دیتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دیتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل اور دس سے کم دیتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے، اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دینا، اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو سکتی اس لیے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر مثلاً ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل، ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پانچ روپے زائد ہوں تو تیسری شکل اور دس روپے زائد ہوں تو چوتھی شکل غرضیکہ مذکورہ معاملے میں احسان کی سینکڑوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح مثال مذکور میں دس روپے سے کم کی پیسوں کے لحاظ نو سو ننانوے اور روپوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم و حق تلفی کا مصداق قرار پاتی ہے، اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے تعین پر احسان اور ظلم کے تعین کا دار و مدار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حدِ فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہٰذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل متعین و معلوم نہ ہو، اُس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین و معلوم نہیں ہو سکتیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں مرتب اور پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو

عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل وحقیقی قوانین اور واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظری لحاظ سے بہتری و برتری ثابت کی جاسکتی ہے تو وہ بھی اس کی اُن معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں، جہاں تک احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے اُن کی تعلیم و ترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر سماوی دین و مذہب میں موجود ہے بلکہ لادین قسم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو از راہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لیے مالی ایثار کرتے اور رفاہ عام کے مصارف میں دل کھول کر حصّہ لیتے ہیں حالانکہ وہ قانوناً اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام اَدیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام ادیان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کے جو معنوی اور روحانی محرکات اسلامی ہدایات میں ہیں وہ بہت قوی و زیادہ پائیدار ہیں۔ بہرحال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں اُن کی بنا پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری و برتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جاسکتی اسی طرح اسلام کی اُن معاشی تعلیمات کی بنا پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت نہیں کی جاسکتی جو ناموافق عبوری حالت سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم و حق تلفی کی برائی ضرور موجود ہوتی لہٰذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منشائے اسلام کے مطابق نہیں ہوتیں اور ان کا اختیار کرنا "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ" کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کر لیا جائے اور پوری کے لیے کوشش جاری رہے، یا یوں کہئیے کہ ان کا اختیار کرنا اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ اور اَخَفُّ الشَّرَّيْنِ کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری و ناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کر لیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ دینے کے ارادہ سے بہرحال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بنا پر اسلامی معاشی نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث میں معاشی نوعیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنی اساس و بنیاد

اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی شرعی حیثیت و اہمیت، اپنے منشار و مقصد اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں اُن میں سے ہر ایک کے اطلاق کا محل و موقعہ الگ اور جدا ہے لہٰذا اُن کو آپس میں خلط ملط کرنا اور ملانا، اصولاً غلط قرار پاتا اور اُن کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ اُن میں سے بعض کو لیا اور بعض کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تعفص کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہو گویا کہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو انمل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط ملط اور گڈمڈ کر دیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کر دیا۔ مثلاً بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے برعکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچے سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اتحاد کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علمار کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اُس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن وحدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق و مغائرت کی جو متعدد وجوہ تھیں اُن کی طرف ذہن نہ گیا اور وہ نگاہ سے اوجھل رہیں، بنابریں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر ملحوظ و مدنظر رکھے تاکہ اسلام کے معاشی نظام کا خاکہ متفقہ صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشیات کے متعلق علمارِ اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں اُن کا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث وتحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشی معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لیے عام طور پر اختیار کیا گیا، بحث و تحقیق کے اُس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کل کے اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کل کے مقصد وجود کو اور نہ اُس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر و تشریح میں مختلف آرار کی گنجائش پائی جاتی ہو، چونکہ بحث و تحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا اُن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے لہٰذا نتائج

Safety
instant milk

الحاج اقبال احمد خان عمان

بصیرت کی اہمیت

آپ صحیح البخاری کھولیں تو اس کی پہلی حدیث وہ ملے گی جس کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیان کیا تھا۔ اس کا پہلا فقرہ ہے إِنَّمَا الأَعمالُ بِالنِّيَّاتِ (بے شک عمل کا دارومدار نیت پر ہے)

پھر اسی صحیح البخاری میں، مثال کے طور پر، کتابُ الوضو، بابُ البول قائماً وقاعداً کے تحت ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گروہ کے کوڑا خانہ پر گئے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا (اتی النبیُّ صلّی اللہ علیہ وسلم سُباطَةَ قومٍ فَبَالَ قائماً)

اب ایک شخص ہے جو پہلی حدیث کو لے کر اس پر تقریر کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ خالص اللہ کے لیے عمل کرو، اگر تم اللہ کی رضا کے سوا کسی اور چیز کو مقصود بناؤ گے تو تمہارا سارا عمل اکارت ہو جائے گا۔ آخرت میں اسی عمل کی قیمت ہے جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہو۔

دوسرا شخص وہ ہے جو صرف دوسری حدیث کو لے لیتا ہے۔ وہ لوگوں کے اندر اس بات کی مہم چلاتا ہے کہ لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کریں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔

بظاہر یہ دونوں آدمی حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔ مگر اس ظاہری مشابہت کے باوجود پہلا آدمی صحیح ہے اور دوسرا آدمی غلط۔ کیونکہ پہلا آدمی ایک ایسی تعلیم کی اشاعت کر رہا ہے جو عمومی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تعلیم کی جتنی بھی اشاعت کی جائے اس سے دین میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا۔ مگر دوسرے آدمی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ ایک اتفاقی واقعہ کو کلّی اور عمومی حیثیت دے رہا ہے۔ ایسا شخص فتنہ کا داعی ہے نہ کہ دین کا داعی

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا کام کرنے کے لیے صرف دینی معلومات کافی نہیں، اسی کے ساتھ نی بصیرت بھی انتہائی طور پر ضروری ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل کی ضرورت تی ہے (یک من علم را دہ من عقل می باید)

دینی علم کو دینی بصیرت بنانے کا راز تقویٰ ہے۔ جو آدمی تقویٰ اور خشیت والا ہوگا اس کا علم اپنے آپ بصیرت کی صورت میں ڈھل جائے گا۔

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

مفتی برخیاء کاکاخیلؒ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا نڈر چھاپہ مار کمانڈر

نوشہرہ کے قریب قصبہ زیارت کاکا صاحب اپنی روحانی وجاہت علمی ثقاہت ادبی شکوہ اور اپنی سیاسی شہامت کی وجہ سے ملک بھر میں مشہور ہے۔ یہاں پر مشہور روحانی بزرگ حضرت شیخ رحمکار المعروف کاکا صاحب کا مزار ہے اس وجہ سے اس بستی کو زیارت کاکا صاحب کہتے ہیں۔ حضرت کاکا صاحب کی اولاد میانگان کے عرف سے یاد کی جاتی ہے۔

اسی قوم کاکاخیل میں ہر دور میں ایسی باصلاحیت شخصیات افراد اور ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جنہوں نے اپنے عہد آفرین اور تاریخ ساز کارناموں سے تاریخ میں اپنا ایک الگ مقام پیدا کیا۔

تحریک ریشمی رومال کے سرکردہ مجاہد اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے دست راست اسیر مالٹا مولانا عزیر گل کا تعلق بھی اسی بستی اور قوم سے ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب نافع، مولانا میرانجان، میاں اکبرشاہ، میاں حمید گل غرض قوم اور اسی طرح سینکڑوں کی تعداد میں ہستیاں ہیں۔ جنہوں نے تاریخ میں اپنا ایک امتیازی تشخص قائم رکھا۔ یہ تو وہ شخصیات ہیں جن کے نام سے تاریخ برصغیر سے دلچسپی رکھنے والا ہر طالب علم واقف ہے۔ لیکن عنوان بالا میں مذکور شخصیت جس کے تذکرہ سے اوراقِ تاریخ خالی ہیں۔ وہ ایک عظیم عالم دین نامور مفتی، جنگ آزادی کے مشہور مجاہد اور گوریلا کمانڈر تھے، آپ کی شخصیت گوناگوں صفات کی حامل تھی۔ وہ رزمگاہ جہاد کے سربکف سپاہی بھی تھے۔ اور خلوت کدہ تصوف کے واقف راز صوفی بھی جہاں وہ خانقاہِ احسان وسلوک میں تشنگانِ سلوک وتصوف کو بادۂ معرفت سے سرشار کرتے۔ تو دوسری طرف درسگاہ میں طالبان علم کو اپنے چشمۂ فیضان سے سیراب کرتے۔ درحقیقت وہ صاحب سیف وقلم ماہر فن سپہ گرمی جامع شریعت وطریقت واقفِ رموزِ سیاست اور ایک انقلابی راہنما تھے۔ جن کے کارہائے نمایاں اور قومی وملی علمی ودینی خدمات پہ تاریخ نازاں رہے گی۔

سلسلۂ نسب

سید بر خیا ولد سید یحییٰ ولد سید انبیاء ولد سید عبد الشکور ولد سید سیر الدین ولد سید قیاس الدین ولد حضرت شیخ ضیاء الدین ولد قطب الاقطاب حضرت شیخ کستیر گل المعروف شیخ رحمکار کاکا صاحب رحمہ اللہ ۔

ولادت

معتبر روایات کے مطابق آپ ۱۲۲۹ھ میں قصبہ زیارت کاکا صاحب کے محلہ قاضی خیل میاں گان میں پیدا ہوئے ۔

تعلیم وتربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے گھر پر حاصل کی ۔ آپ کے والد صاحب اپنے دور کے مشہور عالم دین تھے ۔ اور قصبہ زیارت کے عمومی مزاج کے مطابق دور دراز سے طالبان دین یہاں پر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ۔ ہر مسجد میں درس کے حلقے موجود ہوتے ۔ چنانچہ آپ کے والد سید یحییٰ کے پاس طلبہ کی معتد بہ تعداد موجود ہوتی ۔ اسی طرح آپ نے اپنے والد سے علوم کی تکمیل کی ۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ تصوف کی طرف متوجہ ہوئے ۔ چونکہ آپ کے والد سلسلۂ نقشبندیہ کے ساتھ منسلک تھے ۔ اس لیے انہوں نے آپ کے دست پر بیعت کی ۔ مزید تعلیم کے لیے آپ نے مختلف مقامات کا سفر بھی اختیار کیا تھا ۔ ۴۵ سال کی عمر میں آپ اپنے علاقے کے مفتی بن گئے ۔ اور دور دراز سے لوگ آپ کے پاس اپنے مسائل کے حل کے لیے آتے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ آپ کے بے شمار فتاویٰ کتابی شکل میں موجود ہیں اپنے گھر کے قریب آپ نے ایک مدرسہ بھی بنایا تھا ۔ جس میں آپ طلبہ کو درس دیا کرتے تھے ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے روحانی فیض کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔

عملی جہاد

یہ وہ دور تھا ۔ کہ انگریز اور فرنگی سامراج کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت اور غلیظ و غضب کے جذبات موجزن تھے ۔ چنانچہ انگریز کے ظلم وستم اور غلامی کی ذلت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جب برصغیر میں علماء حق نے علم جہاد بلند کیا ۔ جس کی ابتداء شاملی کے میدان میں قطب الاقطاب سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ کی قیادت میں ہوئی تھی ۔ اور بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کے سرکردہ جرنیلوں میں تھے ۔ ان ہستیوں کی قیادت میں مسلمان مجاہدین انگریز فوج سے برسر پیکار رہے ۔ رفتہ رفتہ جہاد کا یہ سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلتا گیا ۔ اسی دور میں حضرت مفتی بر خیاؒ نے بھی اپنے علاقے میں انگریز کے خلاف جہاد کا تاریخی فتویٰ جاری کیا اور خود بھی عملی جہاد میں شرکت کی تیاری شروع کی ۔ اسی سلسلہ میں آپ نے اپنے تلامذہ اور مریدین کی ایک حربی جماعت قائم کی ۔ آپ کے چچازاد بھائی محمد شعیب عرف علیجاہ میاں جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت وثروت سے نوازا تھا ۔ اور انتہائی سخی تھے ۔ آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو اسلحہ وغیرہ خریدنے میں کافی مالی امداد دی ۔ اکوڑہ خٹک سے جانب جنوب تقریباً ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر بلند وبالا پہاڑوں کے درمیان ایک جنگل ہے ۔ جس کو انیکال کہا جاتا ہے مفتی صاحب نے اس کو اپنا

خفیہ جنگی مرکز بنالیا۔ آپ یہاں مجاہدین کو تربیت دیتے تھے۔ جنگی سامان اور کھانے پینے کی اشیاء اسی مرکز میں جمع ہوتی تھی اپنے گروپ کو منظم کرنے کے بعد ضلع پشاور۔ اور صوبہ سرحد کے کئی دوسرے مقامات پر آپ کے مجاہدین انگریز کے خلاف چھاپہ مار کاروائیاں شروع کیں۔ تقریباً تین مہینے تک آپ کے جاں نثار رفقاء انگریزی فوج پر حملہ کرتے رہے۔ وہ حیران تھے کہ یہ نئی افتاد کہاں سے ہمارے سروں پر آپڑی۔ چنانچہ انہوں نے مفتی صاحب اور ان کے خفیہ اڈے اور جنگی مرکز کی تلاش شروع کی۔ مگر وہ باوجود سرتوڑ کوشش کے کامیاب نہ ہوسکے۔

بدقسمتی سے جس طرح پورے برصغیر میں انگریز نے زرولالچ کے بل بوتے پر ضمیر فروشوں اور غداران ملت وقوم کا ایک وسیع حلقہ تیار کیا تھا۔ جن کو انگریز نے اپنی خدمات ذمیمہ کے عوض بڑی بڑی جاگیروں اور خطابات سے نوازا تھا۔ ان زرخرید غلاموں کی نشاندہی پر انگریز کو مفتی صاحب کے خفیہ مرکز کا پتہ معلوم ہوا۔ ہوا یہ کہ مفتی صاحب کے مجاہدین نے ایک انگریز کرنل کو اغوا کیا اور اس کو خیرآباد کے راستے خفیہ مرکز اینگال پہنچا دیا اور اس کے عوض سے حکومت سے اپنے چند ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، جن کو حکومت نے پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ اور وہ ان کو کسی قیمت پر بھی رہائی دینے کو تیار نہ تھی۔ اسی دوران انگریز نے اپنا مجرب آزمودہ نسخہ آزمایا۔ اور علاقہ خٹک کے لوگوں کو جاگیروں اور بڑی بڑی رقوم کی پیشکش کی۔ اور آخرکار اسی علاقے کے ایک "میرجعفر" نے حکومت کو مفتی صاحب کے خفیہ مرکز کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ جس کی وجہ سے انگریز فوج نے مفتی صاحب کے مرکز اینگال پر ایک لشکر جوکہ بھاری اسلحہ سے مسلح تھا سے بھرپور حملہ کیا۔ مجاہدین اور انگریزی فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن کثرت تعداد دشمن اور بھاری اسلحہ کی وجہ سے مجاہدین کو شکست ہوئی اور بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ جبکہ کئی مجاہدین گرفتار ہوکر انگریز اپنے ساتھ لے گئے۔ اسی دوران انہوں نے اپنے اغوا شدہ کرنل کو بھی رہا کرایا۔ حملے کے وقت مفتی صاحب مرکز میں موجود نہ تھے۔ جب آپ کو اس واقعے کا علم ہوا۔ تو انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ چنانچہ آپ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ہزارہ چلے گئے۔ حکومت آپ کی گرفتاری کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ اور انہوں نے آپ کے عزیز واقارب اور رشتہ داروں کو تنگ کرنا شروع کیا، ان کے خاندان کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ ان کی جائیداد بحق سرکار ضبط کرلی گئی اور بہت سے افراد پابند سلاسل کر دیئے گئے۔

وفات

چونکہ حکومت آپ کو گرفتار کرنے کے درپے تھی اس لیے آپ نے اپنے علاقے سے کوچ کر کے ضلع ہزارہ کے ٹھنڈا پانی نامی پہاڑ میں اپنا مستقر بنا دیا اور تادم واپس وہاں مقیم رہے۔ تاآنکہ وعدہ آپہنچا اور مورخہ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ میں آپ کی وفات کا واقعہ فاجعہ پیش آیا۔

ـــــہ تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں تابندہ رہوں گا

ـــــہ مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے ذرّوں سے انسان نکلتے ہیں

دورانِ اقامتِ ہزارہ آپ کے ظاہری وباطنی علوم سے متاثر ہوکر ایک کثیر تعداد آپ کے حلقہ ارادت میں آگئی، اور بہت سے لوگ آپ کے مریدین گئے۔ اور آج تک ایبٹ آباد اور ہزارہ کے لوگ آپ کے خاندان کے افراد کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کے فوجی مرکز یعنی اینگال میں آج بھی چند شہیدوں کے مزارات ہیں۔ جنہوں نے خون جگر کا نذرانہ دے کر اس خطہ اور دھرتی کو انگریز کے چنگل سے آزاد کیا تھا۔ اور یہ انہی بابرکت نفوس کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ ہم یہاں آزادی کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ آج یہ شاہین ہماری نگاہوں سے دور پہاڑوں کی چٹانوں میں محو استراحت ہیں۔ کیا ان کا ہم پر اتنا بھی حق نہیں۔ کہ ہم ان کی یاد میں آنسوؤں کے نذرانے پیش کریں۔ مگر ـــــہ

صبا کیسی کہاں کے پھول ہاں آندھی جب آتی ہے
چڑھا جاتی ہے چادر گرد کی گور غریباں پر

اس کے علاوہ ایک مسجد اور مکان کے چند کھنڈرات موجود ہیں جو ہمیں مفتی صاحب اور ان کے سر بکف رفقاء و جان نثار مجاہدین ساتھیوں کی یاد دلاتی ہے۔

ـــــہ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را۔

کتب خانہ مفتی صاحب

مفتی صاحب کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں زیادہ تر نسخے قلمی تھے۔ اب تو اس کی اکثر کتابیں حوادث زمانہ کی نذر ہو گئی ہیں۔ لیکن مولانا حکمت شاہ مرحوم جو کہ حضرت مفتی صاحب کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے اس کتب خانہ کی حفاظت کی ساتھ ساتھ اس میں نئی کتابوں کا بھی اضافہ کیا جو آج تک موجود ہے کتب خانہ میں کتابوں کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کا لوٹا پھوٹا اسلحہ بھی بطور یادگار محفوظ ہے۔

ـــــہ چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا (غالب)

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

قادیانی سربراہ مرزا طاہر الفضل انٹرنیشنل کا اجراء

مسلمانان عالم بالخصوص اہل یورپ کے لیے لمحہ فکریہ

قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے اپنے سالانہ جلسہ ۹۳ء کے موقع پر یہ اعلان کیا ہے کہ وہ برطانیہ کے دارالحکومت لندن سے عنقریب اپنا روزنامہ نکالیں گے جس کا نام الفضل انٹرنیشنل ہوگا۔ خبر کے مطابق الفضل کے بین الاقوامی ایڈیشن کا ۳۰ جولائی سے اجراء کر دیا گیا ہے۔ (روزنامہ آواز لندن ۲/ اگست ۹۳ء)

قادیانی سربراہ مرزا طاہر کا مذکورہ اعلان تمام امت مسلمہ بالخصوص مسلمانان یورپ کے لیے صرف ایک لمحہ فکریہ نہیں ایک خطرے کا الارم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا طاہر نے یہ اعلان کر کے مسلمانوں کو برسرعام للکارا ہے اور انکی غیرت ایمانی اور حمیت دینی کو چیلنج کیا ہے۔ وہ اس دعوے پر آگیا ہے کہ یورپ کے مسلمانوں کو مرزا غلام احمد قادیانی کی غلامی میں لا کر رہے۔

قادیانی سربراہ کا یہ اعلان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب ساری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف فکری محاذ کھلا ہوا ہے اور اسلام دشمن قوتیں نت نئے عنوان سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو طعن و تشنیع اور تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنا رہی ہے۔ مسلمان نوجوانوں کے قلوب سے عظمت اسلام کو ہر ممکن اور ناممکن تاویل سے نکالا جا رہا ہے۔ توحید، رسالت، آخرت، قرآن، صحابہ کرام، احادیث پاک، اہل بیت اور ائمہ مجتہدین کے خلاف مختلف محاذوں سے دن رات زہر اگلا جا رہا ہے۔ اور تہذیب و ثقافت کے نام پر مسلمان نوجوانوں کو اسلامی تہذیب و اخلاق سے خالی کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں قادیانی سربراہ کا یہ اعلان کہ قادیانی آرگن الفضل کو ہفت روزہ کے بجائے روزنامہ بنا کر مسلمانوں کے گھر گھر پہنچایا جائے گا۔ یورپ میں بسنے والی پوری امت اسلامی کو ایک چیلنج نہیں تو اور کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ برطانیہ میں علماء کرام اپنی اپنی دینی خدمات میں مصروف ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برطانیہ اور یورپ میں مقیم مسلمانوں اور ان کی نئی نسلوں کے ایمان و نظریات کا تحفظ

جس نہج پر ہونا چاہیئے اس نہج پر یہاں کام نہیں ہو رہا۔ کئی نوجوان عیسائیت کے دام فریب کا شکار ہو رہے ہیں، کئی مذہب کو خیرباد کہنے پر آمادہ ہیں۔ نئی نسلوں پر مغربی افکار پوری طرح حملہ آور ہیں۔ اور کئی انگلینڈ میں بسنے کیلئے سیاسی پناہ کے سائے میں قادیانیت کے حلقہ جال میں کسے جا رہے ہیں۔ اور اب قادیانی آرگن الفضل کے ذریعہ روزانہ مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

ان حالات میں ہمیں پھر سے اپنے نقشِ عمل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہر اس خلاء کو پُر کرنے کی ضرورت ہے جہاں سے خلاف اسلام عقائد و نظریات کو ہماری صفوں میں داخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ چند تجاویز اس امید پر پیش کی جا رہی ہے کہ یورپ کے ہر شہر کے علماء اور رہنما اس پر غور و خوض کریں اور ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

(۱) اس وقت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوتی ہے لیکن مسئلہ اب صرف ایک سالانہ کانفرنس سے حل ہونے والا نہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اس سلسلہ میں برطانیہ میں سالانہ چار ذیلی کانفرنسیں منعقد ہوں اور یورپی ممالک میں بھی ایک سالانہ کانفرنس کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ اور الفضل میں اٹھائے گئے اعتراضات اشکالات اور ان کی سازشوں کا مثبت اور موثر جواب دیا جائے۔ اور بتلایا جائے کہ قادیانی تحریک کن کن تاریک راہوں سے مسلمانوں کے عقائد و نظریات پر شب خون مارتی ہے۔

(۲) ضروری ہے کہ ان کانفرنسوں کی مفصل رپورٹ سالانہ شائع کی جائے جس میں قادیانی مبلغین کے نئے پیش کردہ اعتراضات و شبہات کا مدلل جواب موجود ہو اور جس زبان میں (اردو۔ انگریزی) قادیانی آرگن زہر اگلے اسی زبان میں اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

(۳) ضروری ہے کہ قادیانی آرگن الفضل کے مقابلے پر یہاں مسلمانوں کا کوئی ہفت روزہ۔ ماہنامہ جاری کیا جائے جس کا واحد مقصد تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیوں کی سازشوں کو بے نقاب کرنا اور یورپ میں اسلام کے خلاف لکھے جانے والے مضامین کا علمی انداز میں جواب دیا جائے۔ اور ان کی تحریفات کا پردہ چاک کیا جائے۔

(۴) برطانیہ میں مقیم علماء علماء کرام کے لیے ایک تربیتی کورس جاری کیا جائے جس میں فرق باطلہ بالخصوص قادیانیت کو پوری تفصیل کے ساتھ سامنے لایا جائے۔ اور قادیانی اعتراضات اور ان کی باطل تاویلات کے مدلل اور مفصل جوابات کی مشق کرائی جائے۔ تاکہ جس مقام پر بھی قادیانیت سر اٹھائے وہیں اسے سرنگوں کو دیا جائے۔

(۵) یورپ۔ امریکہ۔ عرب۔ بالخصوص ان افریقی ممالک میں قادیانیت کا محاسبہ کیا جائے جہاں قادیانیوں نے محض دولت کے بل بوتے پر کمزور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ اور انہیں اسلام کے نام پر قادیانی بنا دیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ علماء کرام اس سلسلے میں اپنی دینی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے۔ اور قادیانیت کا ہر محاذ پر مقابلہ کریں گے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (۴ راگست ۹۳ء)

مولانا عبدالقیوم حقانی

مستشرقین کی تحقیقی خدمات

دین اسلام کے خلاف ایک فن کارانہ سازش

اہلِ مغرب کی اسلام سے عداوت اور ان کا مسلمانوں سے بُغض کوئی آج کی بات نہیں ہے، برسہا برس کیا صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ چل رہا ہے، لیکن دو باتیں ایسی ہیں جو سطحی طور پر دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ ان اقوام یورپ نے مسلمانوں سے انتقام لینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، انڈونیشیا میں ڈچ حکمرانوں نے، ملایا اور برصغیر میں انگریزوں نے، اور مغرب اقصیٰ میں فرانج نے اور مشرق اوسط میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس تینوں نے اسرائیل کو مسلّط کر کے جو نہتے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے ہیں ان میں ایک ایک واقعہ ایسا ہے جس کو بلا کسی ادنیٰ مبالغہ کے، اور بغیر کسی مجاز و استعارہ کے بیان کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو کسی مُردہ مخلوق کی ممکن ہے جو گدھوں اور درندوں کے درمیان پڑ گیا ہو۔ آج جنوبی افریقہ اور مڈغاسکر میں ایسے مسلمان موجود ہیں جن کے آباء و اجداد کو ملبنر با سے لا کر عمر قید کی سزا دی گئی تھی جن کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی زمین پر اُگنے والے درختوں سے پیدا شدہ ربر کے چند ٹوپے ان کی مرضی کے بغیر حاصل کر لیتے تھے، اور برّصغیر میں خاص طور پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل تو کیا اجمالی ذکر بھی ایسا ہے کہ۔

آسماں را حق بود گر خوں بیفشاید بر زمیں

فلسطینیوں پر چالیس سال سے جو مسلسل آگ برسائی جا رہی ہے، کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لیکن ان تمام چیرہ دستیوں کے باوجود آج تک ان کی آتشِ انتقام ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے۔ کہنے کو تو مسلمان ایک بغیر قوم ہیں، ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور جہاں ہیں باہم برسرِ پیکار ہیں۔ مغرب اقصیٰ سے لے کر انڈونیشیا کے آخری جزیرے تک کہیں اقتصادی طور پر آزاد نہیں ہیں، سیاسی طور پر انہی اقوام کے دریوزہ گر ہیں۔ علمی ثقافتی دنیا میں انہی کی ایجادات کو عظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں، انہی کی زبان بولنے پر فخر کرتے ہیں، انہی کی معاشرت تہذیب کی علامت سمجھتے ہیں۔ ایسی شکست خوردہ قوم سے انتقام کس بات کا اور کب تک؟۔ تسخیر

فضا کے مدعی چاند پر کمنڈ ڈالنے والے چند انسانوں کو زمین پر اپنی مرضی سے چلنے کی آزادی کیوں نہیں دینا چاہتے ایک بات تو یہی ہے جو ناقابلِ فہم ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان کے وہ دانشور و محققین جن کی علمی تحقیقات کا میدان مشرق ہے اور جن کو اورنٹیلسٹ یا مستشرق کہا جاتا ہے۔ مشرق کے دوسرے مذاہب بودھ مت۔ شنتو، آتش پرست، بت پرستوں کے مذاہب کا مجموعہ جس کو ہندو مت کہا جاتا ہے، ان سب پر بحث کیوں نہیں کرتے، برائے نام شعبے ان مذاہب کے مطالعہ اور ان کی ادبیات کی تحقیق کے لیے قائم ہیں، مگر ان شعبوں میں جا کر دیکھئے، چند تصویر بتاں، چند قدیم وید اور دیو مالاؤں کے نسخے، چند سنسکرت میں لکھے ہوئے کتبے، کچھ پتھر کے ٹکڑے یا مختلف لباسوں اور پیراہنوں کے نمونے، اور اس کے آگے صفر۔

دوسری طرف اسلامیات کا مضمون دیکھئے، تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر اس بیسویں صدی تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ نہ کیا گیا ہو۔ پروفیسر محمد حمید اللہ صاحب (سابق پروفیسر اسلامیات، استنبول یونیورسٹی، مقیم پیرس) کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کریم کے مقدمہ میں ان ترجموں کی فہرست ہے جو یورپین زبانوں میں اب تک ہوئے ہیں، مشرقی و مغربی یورپ کا کوئی ایک ملک ایسا نہیں ہے جس میں ایک سے زیادہ ترجمۂ قرآن موجود نہ ہو۔ انگریزی میں اٹھہتر (۷۸) ترجمے، فرنچ میں بہتر (۷۲) ترجمے، جرمن میں ۵۵ ترجمے، اطالوی میں ۲۱ ترجمے ہو چکے ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کسی ایک ترجمہ سے ان کی تشفی نہیں ہوتی، سیرت نبوی پر بہتیری کتابیں نئے نئے عنوانات کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اڈنبرہ یونیورسٹی میں قرآن کریم پر کام کرنے والوں کے لیے اسکالرشپ اب بھی دیا جاتا ہے بشرطیکہ ان کی تحقیق کی ابتداء اس سے ہو کہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصنیف ہے۔

لیڈز یونیورسٹی میں سامی (SEMITIC) ادبیات کا شعبہ ہے۔ ان زبانوں میں سریانی، عبرانی، حبشی اور مختلف زبانیں ہیں۔ عبرانی پر تو خیر دو ایک، حاخام، کام کرتے دکھائی دیئے کیونکہ انہی کا قائم کردہ شعبہ ہے مگر سریانی، ارامک، حبشی پر ایک مقالہ بھی مرتب نہیں، اور عربی پر کام کرنے والوں کے رسالوں سے الماری بھری پڑی ہے۔

قرآن کریم اور سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ان مستشرقین کا تختۂ مشق ہمیشہ سے رہا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر مختلف بیہودہ عناوین کے ساتھ اپنی معاندانہ تحقیقات شائع کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور حربہ یہ استعمال کرتے ہیں کہ سیرتِ نبوی پر ایسی کتاب لکھتے ہیں جیسے معلوم ہو بڑے انصاف

پسند ہیں، لکھنے کا انداز معروضی ہے، مگر آخر میں قرآن کے متعلق ایسا جملہ لکھ دیں گے جس سے تمام اعترافات پر پانی پھر جائے، دراصل ان کا مقصد صرف قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی تردید کرنا ہوتا ہے، اور سیرت کا عنوان اور اعتراف کا انداز سب ایک فن کارانہ سازش ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس انداز میں یا اُس انداز میں کوئی زمانہ خالی نہیں جاتا جب ان کی تحقیقی کاوش اسلام پر حملہ آور نہ ہو۔ حال ہی مانٹ گمری واٹ (استاد اسلامیات اڈنبرہ یونیورسٹی اور مصنف محمد ایٹ مکہ، محمد ایٹ مدینہ، وحدت اسلامی، غزالی وغیرہ) نے ایرانی انقلاب، افغانستان کے جہاد، اور اسلامی شعور کی بیداری (الصحوۃ الاسلامیۃ) کا جائزہ پیش کیا ہے۔

یہ دو عجوبہ قسم کی باتیں ایک تو اسلام کو ناقابل التفات، نوزائیدہ مذہب اور قرآن کو معاذ اللہ "چند سُنی سنائی باتوں کا غیر مرتب مجموعہ" کہتے ہیں اور اس کے باوجود صدیوں سے اس کی تشریح و تفسیر کرتے جا رہے ہیں، یہ سیکڑوں ترجمے ان کے لیے ناکافی ہیں، مزید کی کوشش جاری ہے۔

دوسرا عجوبہ یہ کہ اسلام میں جاذبیت کے قائل نہیں ہیں۔ ایک بات کو صدیوں سے رٹ رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ تو سوال یہ ہے کہ اب تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں شمشیر کیا چھری بھی نہیں ہے، اب تو اس کے خلاف سازش سے باز آجاتے۔ کبھی براہ راست نام لے کر گالی دیتے ہیں، کبھی علم و فلسفہ کی آڑ میں آکر وار کرتے ہیں۔ عیسائیت کی تبلیغ میں کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ تعلیم، دوا، غذا، جنس، ہر قسم کے ہتھیار سے دیہاتوں اور شہروں میں، افریقہ کے جنگلوں میں اپنے چرچ بنا رہے ہیں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے، کیا اس کی ضرورت ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے درپے آزار ہوں؟

کبھی آپ نے سُنا کہ ان مشنری کے سورماؤں نے بودھ مت کی مذمت کی ہو شنیٹو پر حملہ آور ہوتے ہوں، کسی آریائی مذہب یا کسی بُت پرست مذہب کی تردید کی ہو۔؟

اس متضاد صورت حال کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دراصل عیسائیت کے پاس دنیا کے لیے نہ پہلے کوئی پیغام تھا اور نہ اب ہے۔ چند بُجھی بُجھی مدھم روشنی کی کرنیں پورے مجموعۂ اصلاحات و کفّارات میں نظر آتی ہیں جو عقل سلیم کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ عقل سلیم الگ رہی عام انسانی عقل کو بھی اپیل نہیں کرتیں، خود یورپ میں نوجوان بائبل کو "پریوں اور جنوں کی کہانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری طرف اسلام کا معاملہ ہے کہ قرآن اور سیرت نبوی میں وہ مقناطیسی قوت ہے کہ جو کام یہ مشنریاں

پچاس برس میں نہیں کرسکتیں اس کو ایک داعیٔ دین چند دنوں میں انجام دے دیتا ہے۔

ایتھوپیا ایک خالص کرسچین ملک ہے، ہیلاسلاسی کے وقت میں یہی ایک ملک تھا جس کی بنیاد میں عیسائیت کی پرورش، تبلیغ داخل تھی۔ وہاں ایک شہر عدیس ابابا میں پچاس مشنریاں کام کرتی تھیں۔ حکومت کی سرپرستی، مشنریوں کی دولت، اور تربیت یافتہ نوجوان لڑکیاں، اپنے رفقائے کار کے ساتھ ان گاؤں اور قصبوں میں پھیل جاتیں جہاں موٹر یا لاری کا راستہ بھی نہیں ہے۔ کئی میل کچے اور ناہموار راستوں پر پیدل چل کر کوڑھیوں کا علاج کرتیں، ان کے زخم دھوتیں، مرہم پٹی کرتیں، ان کے لڑکوں کو مٹھائیاں، کھلونے اور گیند دیتیں۔ نوجوانوں کو اپنے ساتھ لاکر تربیت کا نظم کرتیں، بہ چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے اور بھوک سے سسکتے ہوئے جوانوں کو کوٹ پینٹ، سفید قمیض اور ٹائی باندھ کر انگریزی، فرنچ، اٹالین زبانیں سکھاتیں، مگر جب یہ نو مذہب ہوش سنبھالتے تو اپنے کو تیسرے درجہ کا عیسائی پاتے، یہ کالے ہیں ان کی قبریں کالوں کے قبرستان میں ہونگی یہ گوروں کے چرچ میں نہیں جا سکتے اور ان کو پتہ چلتا کہ کالوں کی ہولی فیملی الگ ہے اور گوروں کے تالوث دوسرے ہیں۔ وہاں اسلام کے نام لیوا چند مہینوں میں عام پبلک کو مسلمان کر دیتے، صرف اصولِ مساوات ہی کے جاننے اور برتنے کے بعد لوگ عیسائیت سے تائب ہوکر اسلام کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

محمد علی امہری عدیس ابابا کے رہنے والے ہیں، ایک زمانہ میں ایتھوپیا کے سفارت خانہ جدہ میں سیکنڈ سکریٹری تھے، ازہر میں تعلیم حاصل کی ہے، ان کی کتاب "الاسلام فی ایثوبیا" دارالشعب مصر نے شائع کی ہے، اس میں متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں کہ مشنریوں کی برسہا برس کی کوششوں پر مسلمان داعیوں نے پانی پھیر دیا۔

مسیحی مبلغ اس وقت تک تیر چلاتے رہتے ہیں جب تک کہ تاریکی قائم ہے، لیکن آفتاب کی کرنوں کے نکلنے کے بعد ان کے پیر نہیں جم سکتے، یہی وہ حقیقت ہے جس کو ان مشنریوں نے پا لیا ہے۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ڈاکٹر محمد وزیر خانؒ نے برطانوی استبداد کے زمانہ میں عیسائیت کو پنپنے نہیں دیا۔

ایک شخص بھی جب عیسائیت کا مطالعہ کر کے سامنے آجاتا ہے تو ان کی برسہا برس کی کاوشوں پر پانی پھیر دیتا ہے، جیسے آج کل ایک افریقی مسلمان ڈاکٹر احمد دیدات نے ان مشنریوں کے مبلغین کی نیند اڑا رکھی ہے۔

اس حقیقت کے پس منظر میں جب اقوام یورپ کی اسلام دشمنی کا جائزہ لیا جائے تو پھر کوئی بات عجوبہ یا باعث حیرت نہیں رہ جاتی۔

الحق کی اوّلین روز سے یہ کوشش رہی ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ سے ان علماء و مصلحین کا تعارف کرائے جو بہ یک وقت تسبیح و سیف کے جامع رہے ہیں، جنہوں نے اپنی علمی و روحانی تربیت سے خلق خدا کو فیض پہنچایا اور جب جہاد کا وقت آیا تو اس میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

اندرون برصغیر میں ایسی باکمال شخصیتیں کم نہیں ہیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولانا ولایت علیؒ سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیرت و کارنامے جن سے یہاں کے مسلمان واقف ہیں اور جو واقف نہیں ہیں ان کے لیے کتابوں کے کافی ذخیرے موجود ہیں لیکن اسی طرح کی وہ شخصیات جو عرب ممالک میں اُبھریں اور جنہوں نے ملکوں کو آزاد کرانے میں حصہ لیا اور دوسری جانب حلقۂ درس و تربیت میں بھی اعلیٰ خدمات انجام دیں، ان کی سیرتوں سے کم لوگ واقف ہیں اور ان کے حالات اور کارناموں کو اردو میں منتقل بھی نہیں کیا گیا ہے۔

ضرورت ہے کہ ان کے حالات، سیرت و سوانح اور علمی و دینی جہادی کارناموں کو مرتب کر کے جدید نسل تک آسان اور عام فہم زبان میں پہنچایا جائے۔ ماہنامہ الحق اس سلسلہ میں بھی اہلِ علم اور قلم کے تعاون سے مثبت اور مفید پیش رفت کے لیے اپنے اہلِ علم کے مضامین اور قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کرے گا۔
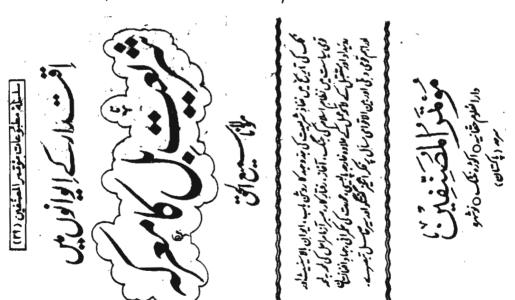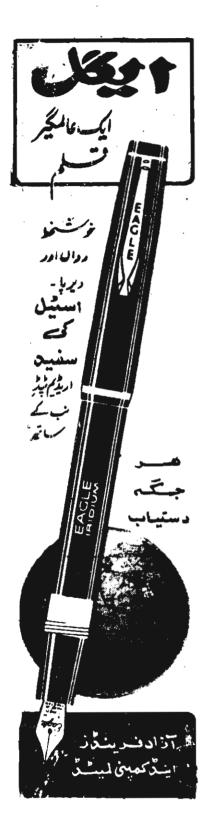
قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے۔

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

ڈاکٹر عبدالسلام کا شرمناک کردار

اپنے ایک امریکی دورے کے دوران سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں، میں بعض اعلیٰ امریکی افسران سے باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کر رہا تھا کہ دوران گفتگو امریکیوں نے حسب معمول پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا ذکر شروع کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر پاکستان نے اس حوالے سے اپنی پیش رفت فوراً بند نہ کی تو امریکی انتظامیہ کے لیے پاکستان کی امداد جاری رکھنا مشکل ہو جائے گی۔ ایک سینئر یہودی افسر نے کہا۔ "نہ صرف یہ بلکہ پاکستان کو اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔" جب ان کی گرم سرد باتیں اور دھمکیاں سننے کے بعد میں نے کہا کہ آپ کا یہ تاثر غلط ہے کہ پاکستان ایٹمی توانائی کے حصول کے علاوہ کسی اور قسم کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی رکھتا ہے۔ تو سی آئی اے کے ایک افسر نے جو اس اجلاس میں موجود تھا، کہا کہ آپ ہمارے دعویٰ کو جھٹلا نہیں سکتے۔ ہمارے پاس آپ کے ایٹمی پروگرام کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں۔ بلکہ آپ کے اسلامی بم کا ماڈل بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ کہہ کر سی آئی اے کے افسر نے قدرے غصے بلکہ ناقابل برداشت بدتمیزی کے انداز میں کہا کہ آیئے، میرے ساتھ ساتھ والے کمرے میں۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کا اسلامی بم کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا، دوسرے امریکی افسر بھی اٹھ بیٹھے۔ میں بھی اٹھ بیٹھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ سی آئی اے کا یہ افسر ہمیں دوسرے کمرے میں کیوں لے جا رہا ہے اور وہاں جا کر یہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنے میں ہم سب ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سی آئی اے کا افسر تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کمرے کے آخر میں اس نے بڑے غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ایک پردہ کو سرکایا تو سامنے میز پر کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا ماڈل رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک اسٹینڈ پر فٹبال نما کوئی گول سی چیز رکھی ہوئی تھی۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا "یہ ہے آپ کا اسلامی بم..... اب بولو

تم کیا کہتے ہو، کیا تم اب بھی اسلامی بم کی موجودگی سے انکار کرتے ہو۔! میں نے کہا میں فنی اور تکنیکی امور سے نابلد ہوں ۔ یہ میں بتانے یا پہچان کرنے سے قاصر ہوں کہ یہ فٹبال قسم کا گولہ کیا چیز ہے اور یہ کس چیز کا ماڈل ہے ۔لیکن اگر آپ لوگ بضد ہیں کہ یہ اسلامی بم ہے تو ہوگا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا، آپ لوگ تردید نہیں کر سکتے ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں ۔ آج کی میٹنگ ختم کی جاتی ہے ۔ یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے سے باہر کی طرف نکل گیا اور ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے ۔میرا سر چکرا رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ۔جب ہم کاریڈور سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے تو میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک دوسرے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے جس میں بقول سی آئی اے کے افسر کے اسلامی بم کا ماڈل پڑا ہوا تھا ۔ میں نے اپنے دل میں کہا اچھا تو یہ بات ہے ۔ (جناب زاہد ملک بحوالہ نوائے وقت لاہور ۳۰ جون ۱۹۸۹ء)

اقبال کا نظریہ مرد کامل

دہلی ائرپورٹ پر ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی سے ملاقات ہوئی، وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں ۔ ان کی کئی کتابیں چھپ چکی ہے ان کی ایک کتاب کا نام ہے ۔ ISLAM AND MUSLIM IN SOUTH ASIA: HISTORICAL PESPECTIVE

ان سے دیر تک مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی ۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل مسلمانوں کی فکری تاریخ پر ایک کتاب کی تیاری کر رہا ہوں ۔ اس سلسلہ میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ اقبال کی کتاب RECONSTRUCTION OF RELIGOUS THOUGHT IN ISLAM کے نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے ۔ وہ تاریخ کو ایک ارتقائی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں ۔ اس کے مطابق ان کا کہنا ہے کہ پرفکٹ انسان مستقبل میں پیدا ہوگا ۔ یہ تصور اسلام کے عقیدۂ رسالت سے ٹکراتا ہے ۔کیونکہ عقیدۂ رسالت کے مطابق، کامل اور پرفکٹ انسان پیغمبر کی صورت میں پیدا ہو چکا ۔ اب مسئلہ پرفکٹ مین کی پیروی کرنے کا ہے نہ کہ پرفکٹ مین کا انتظار کرنے کا ۔ (جناب وحیدالدین خان، انڈیا)

تفسیر عثمانی کے ناشرین اور قارئین توجہ فرمائیں

سورۃ الانعام، پارہ : ۸ ، رکوع :۱، آیت ۱۲۱ میں ہے ۔

« وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ »

ترجمہ : " اور اُس میں سے نہ کھاؤ، جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا ۔"

آیتِ بالا کی وضاحت تفسیر عثمانی ،صـ۔۔ میں یوں ہے ۔

"یعنی نہ حقیقتاً نہ حکماً؛ حنفیہ متروک التسمیہ عمداً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔"
اس میں "عمداً" سہوِ کاتب ہے، کیونکہ جس جانور پر ذبح کرتے ہوئے جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ بالاجماع حرام ہے۔ ہاں اگر ذبح کرتے ہوئے بھولے سے تکبیر رہ گئی ہو، تو حنفی مسلک میں وہ ذبیحہ حلال فقہ حنفی کی معروف و متداول کتاب "الہدایہ" ج ۴ میں ہے۔

"وان ترک الذابح التسمیة عمداً فالذبیحة میتة لاتؤکل وان ترکها ناسیاً اکل ...... فانه لاخلاف فیمن کان قبله فی حرمة متروك التسمیة عامداً وانما الخلاف بینهم فی متروك التسمیة ناسیاً"۔

(کتاب الذبائح، ص ۴۳۸، لاہور)

مرجع عصر علامہ ابن عابدین شامیؒ رقمطراز ہیں۔

"ولا تحل ذبیحة من تعمد ترك التسمیة مسلماً او کتابیاً، لنص القرآن ولانعقاد الاجماع ممن قبل الشافعی علی ذلك وانما الخلاف کان فی الناسی ولذا قالوا لایسع فیه الاجتهاد"

(ردّ المختار، ج ۵، ص ۲۱۰، مصر)

اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ آیت بالا کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"..... امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس پر بسم اللہ سہواً (نسیاناً) (ناقل) ترک کردی جائے۔ وہ حکماً ماذکر اسم اللہ علیہ میں داخل ہے۔ البتہ عمداً ترک کرنے سے امام صاحب کے نزدیک حرام ہوتا ہے۔"

(معارف القرآن، جلد سوم، ص ۴۳۲، کراچی)

لہٰذا جن حضرات کے پاس تفسیر عثمانی کا کوئی نسخہ ہو ـــــ مدینہ پریس، بجنور کا نسخہ یا اس کا عکس، تاج کمپنی کا نسخہ، جس کا عکس سعودی عرب سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔ یا دارالاشاعت کراچی کا نسخہ، جو بہ اضافۂ عنوانات شائع ہوا ہے ـــــ وہ براہِ کرم مقام مذکور میں "عمداً" کی جگہ "ناسیاً" لکھ لیں، اور جن اصحاب کی نظر سے یہ سطور گزریں، وہ یہ بات دوسرے احباب تک پہنچا دیں۔

جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء (ابن مسعود ہاشمی)

عالم اسلام اب محض ایک بھیگی بلی ہے
مسلمانوں کے منہ پر "واشنگٹن پوسٹ" کا طمانچہ

آخر کیا وجہ ہے کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی عالم اسلام سے مدد آنے کی امیدیں دھری کی دھری رہ گیئں، جہاد تو دور کی بات ہے۔ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک سربیا کو تیل کی فراہمی روک کر اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈال سکتے تھے، بوسنیا کے مسلمان آج جس طرح بے دردی کے ساتھ قتل کیے جارہے ہیں اس سے بڑی کون سی تباہی آئے گی، جب اسلام جوش میں آئے گا۔ گویا اسلام کو شیر کی طاقت حاصل ہونے کا جو شہرہ تھا اسے قصہ ماضی سمجھو اب تو یہ ایک بھیگی بلی ہے۔ (دی واشنگٹن پوسٹ ۳۰ نومبر ۹۲ء)

الحق کے مضامین

الحق کے ایمان افروز اداریئے اور بعض دوستوں کے مضامین پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اور معلومات میں کافی اضافہ ہوا، لفظ جبین کا معنی بھی واضح ہوا۔ ذاکر حسن نعمانی اور بخاری صاحب کا جواب پڑھنے کے بعد اس پر مزید لکھنا تحصیل حاصل اور وقت کا ضیاع ہے۔ اس کے بعد علمی، ملکی اور سیاسی مسائل پر جیسے کہ آپ نے مروجہ نظام حکومت کی تبدیلی یا مولانا محمد اسلم شیخوپوری کا مضمون اصلاح و فلاح امت کے لیے چند تجاویز جیسے قومی اور ملی مسائل پر لکھنے کی ضرورت ہے (محمد اسماعیل ذبیح)

(بقیہ صد ۲۴ سے)

دارالعلوم کے شب و روز

مولانا سمیع الحق کا پہلی اسلامک ایشیائی کانفرنس کولمبو میں شرکت

دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ایشیائی ممالک کی پہلی اسلامی کانفرنس (الملتقی الاسلامی الاول لدول آسیا) منعقدہ ۲۶ تا ۲۸ اگست میں شرکت کے لیے کولمبو تشریف لے گئے کانفرنس کا موضوع "المسلمون فی آسیا والتحدیات الخارجیہ" تھا مولانا سمیع الحق نے ایشیائی مسلمانوں کے مسائل قومی وملی سیاسی حالات اور علمی ودینی چیلنجز کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے اہم علمی ودینی شخصیات، سیاسی قائدین، اور عالم اسلام کے مفکرین سے ملاقاتیں کیں اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ جناب شفیق الدین فاروقی بھی اسی سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔

سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کی دارالعلوم تشریف آوری

اگست کے دوسرے عشرے میں سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اپنے کئی ایک رفقاء سابق وفاقی وزراء اور مسلم لیگ کے مرکزی عہدیداروں کے ہمراہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات کا معاینہ کیا، دفتر اہتمام، ماہنامہ الحق، ترجمان دین، موتمر المصنفین، ادارۃ العلم والتحقیق، مطبخ دارالحدیث، درسگاہیں جدید تعمیرات، زیر تعمیر ہاسٹلز، دارالحفظ والتجوید، مدرسۃ البنات (جسے فی الحال تاجکستان کے طلبہ کے لیے ہاسٹل بنا دیا گیا ہے) دیکھے تو سابق وزیراعظم کے منہ سے ہر ہر مرحلہ پر بے اختیار یہ الفاظ نکلتے رہے کہ "یہ تو عظیم اسلامی یونیورسٹی ہے۔"

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے مزار پر حاضری اور فاتحہ پڑھنے کے بعد مولانا سمیع الحق نے انہیں اپنے قیامگاہ پر ضیافت دی اور ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔

مولانا محی الدین بنگلہ دیش کی دارالعلوم تشریف آوری

جناب مولانا علامہ محی الدین صاحب جو ہفت روزہ المدینہ کے مدیر رابطہ عالم اسلامی کے رکن اور

جمعیۃ علماء اسلام بنگلہ دیش کے رہنما ہیں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے، دارالعلوم کے تمام شعبہ جات کا دورہ کیا ماہنامہ الحق کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر کو عظیم تاریخی دستاویز قرار دیا۔
موتمر المصنفین اور ادارۃ العلم والتحقیق کی مطبوعات کو وقت کی ضرورت، عظیم اشاعتی خدمت اور تاریخی، تحقیقی اور دینی ومذہبی لٹریچر میں اس کے انقلابی اثرات کی تعریف کی، رات کا کھانا مولانا سمیع الحق کے ساتھ کھایا دونوں ملکوں کی علمی ادبی، ثقافتی، اور سیاسی حالات پر تبادلہ خیال کیا۔

محمد رزین شاہ الهزاروی
مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام کراچی

اَلْقَصِیْدَہ

اَلْقَصِیْدَۃ فِیْ رِثَاءِ نَابِغَۃِ الْعَصْرِ قُدْوَۃِ الْعُلَمَاءِ شَیْخُ الْحَدِیْثِ مَوْلَانَا عَبْدُ الْحَق

- رحل الحبیب وشیخنا الوضاء — نبکی وهل یشفی القلوب بکاء
- فلمة منها العقول تحیرت — وفجیعة ومصیبة دهیاء
- دهشت عقول المسلمین برحله — وتزلزلت بوفاته غبراء
- وقلوب ارباب التقی محزونة — وعیونهم بفراقه عبراء
- خلت الدیار بفوته وتأبّدت — لم یبق فی هذی الدیار زهاء
- دار العلوم بکت بفرقة حبّها — أرض بکت معها کذا وسمآء
- الموت حق لامحالة نازل — لکن فقد الصالحین شقاء
- هو کان شمسًا للبریة کلها — أفلت فجنت لیلة لیلاء
- قد کنت نورًا کاملا ومنورًا — لم یبق بعدك فی الانام ضیاء
- بوفاة عبد الحق درة عهده — شیخ الحدیث تیتم العلماء
- هو کان علاما کبیرا حاذقا — لعلومه لا یمکن الإحصاء
- هو کان فی شرح الحدیث کحافظ — فی عصره لیست له اکفاء
- هو کان فی درس الحدیث محققا — ومدققا لیست له نظراء
- هو کان فی درس البخاری فائقا — ودروسه فی الترمذی علیاء
- أعطاه ربّ الخلق علمًا نافعًا — ففیوضه منها البلاد ملاء
- هو کان فی دیوبند خیر مدرس — فاکوره جاء فإنها عذراء
- وبنیٰ هنا دار العلوم تخرجت — منها دعاة الدین والفضلاء
- هو زانَ دار العلم فافتخرت به — فموسّسٌ ومزیّنٌ وبهاء

• واذا نظرت لوجهه فكانه	طلعت على أفق السماء ذكاء
• إن متَّ يا شيخي فلست بميّت	إن الممات لعاشقٍ لبقاء
• هو رد كيد الملحدين وكفرهم	إن المبارئ ضده لفناء
• قاد الورى هو كان أحسن قائدٍ	وبذلك إعترفت له الأعداء
• وله تصانيف كأنجم ليلةٍ	فبها اهتدى الطلاب والفقهاء
• منها الحقائق في الحديث فإنه	شرح ففيه عن الشروح غناء
• وله مقام في الخلائق أعظم	وله ما ترحيمة وسناء
• أزوى البرايا من فيوض علومه	فالشيخ غيث نافع سقاء
• وسعى لتنفيذ الشريعة دائمًا	واصابه في ذا الجهاد عناء
• ورث الأكابر علمهم وكمالهم	وكذا السياسة إنه داماء
• هو يرشد العاوين يصلح دائهم	فخطابه للزائغين دواء
• فالآن اذكره وقلبي حائر	دمعي يسيل فإنني بكاء
• ادخله يا معبود نافي جنة	فيها يدوم الفرح والآلاء

• واصبر رزين بهجر شيخ مشائخ
الموت حق لا يرد قضاء

عالم میں اِنتخاب

مصنوعی اَجزا سے تیار کی جانے والی
اَشیاءِ خور و نوش کے منفی اثرات سے آگاہی کے
بعد نسلِ اِنسانی ایک بار پھر فطرت کے آغوش
میں پناہ تلاش کر رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدرتی اجزا کا مُرکب
رُوح افزا اپنی فطری تاثیر، مُنفرد ذائقے اور
اعلا معیار کی بنا پر اقوامِ عالم میں
روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

تعارف وتبصرہ کتب

قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ
حافظ محمد ابراہیم فانی مدظلہ

نقوشِ حقانی

تالیف: مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی، صفحات ۱۱۰۰، قیمت ۶۰ روپے، ناشر: ادارۃ العلم والتحقیق اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود ان کی تربیت بدنی اور علمی طور پر فرمائی پھر مرکز علوم وفیوض میں اقامت کی سعادت سے نوازا ہے وقت کے شیخ اعظم استاذ الاساتذہ اور اکابر کے علوم وفنون کے امین حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ کی خصوصی توجہات کا شرف بخشا، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اس سے زیادہ مسرت اور خوشی اس پر ہے کہ حقانی صاحب نے ان توجہات کو اپنے جذر قلب میں اس طرح جگہ دی کہ اس کے اثرات اور انوار مشہود ہو رہے ہیں، تدریس، وعظ وتبلیغ اور تصنیف وتالیف ہر میدان میں روبہ ترقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دوام بخشے آمین۔

کسی بھی ممتاز شخصیت کے حالات اور واقعات کی اشاعت سے اس شخصیت کے تعارف کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس طرز کو اپنانے کے لیے سعی اور محنت کرتے ہیں اور وہ بھی زندگی کو کامیاب بنالیتے ہیں۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اسی طرف راہنمائی فرمارہا ہے۔

مولانا حقانی نے اپنے شیخ ومربی محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے علوم ومعارف، درسی افادات مجالس وارشادات، نادر خطوط ومکتوبات اور سیرت وسوانح کے ہمہ پہلو واقعات کو حقائق السنن، صحبتے با اہل حق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر اور سوانح شیخ الحدیثؒ میں بڑے سلیقے سے مرتب کردیا اور پھر موتمر المصنفین کی جانب سے ان کی طباعت واشاعت کے ہفت خوانوں کو سر کرکے ان علمی وتاریخی جواہر پاروں کے فیضان عام کا انتظام کردیا شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے تمام افادات اور سیرت وسوانح کے تمام پہلو علوم دینیہ کا سرچشمہ بصائر وحکم اور نصح وخیر خواہی کا گنجینہ ہیں نہایت روح پرور اور ایمان افروز ہیں۔

مولانا حقانی کی تصنیفات وتالیفات اور تمام مطبوعات بالخصوص حنفیت پر ان کا عظیم تحریری سرمایہ نہ صرف یہ کہ فکری لحاظ سے اہم ہے بلکہ سیرت نگاری، بحث وتحقیق، اور ادب وسلامت کے فنی خصائص کے اعتبار سے بھی تاریخ کے اہم ترین تصنیفات میں شمار ہوں گے انہوں نے اپنی تمام تحریروں میں موضوع کے

ساتھ زبان کی ہم آہنگی کا پورا خیال رکھا ہے اور مختلف النوع عنوانات اور متنوع موضوعات کو دائرہ تحریر میں لائے ہیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، صحافت ادب ہر جگہ یہ التزام رکھا ہے کہ اکابر علماء دیوبند اور سلفِ صالحین کے مخصوص مزاج سے موافقت پیدا ہو۔

مجھے اس پر دلی مسرت ہے کہ حقانی صاحب نے زندگی کی کامیابی کے لیے اپنا دائمی مستقل پروگرام تجویز کر لیا ہے اور اپنے اشغال، افکار، جذبات، اعمال اور صلاحیتوں کو محض حوادثِ واقعات کے حوالے کرنے کے بجائے ایک مستقل نظامِ عمل کے تحت مسلسل کام کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔

ضرورت تھی کہ ان کے تحقیقی، تاریخی اور فکری کام کو متعارف کرایا جائے علمی و دینی اور مطالعاتی حلقوں میں اس کی اہمیت کو مزید اُجاگر کیا جاتے ان کے عظیم تحریری سرمائے سے استفادہ کی تحریک پیدا کی جائے خدا کا شکر ہے حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی نے اس ضرورت کی تکمیل میں سبقت کی سعادت حاصل کی اور ایک وقیع کتاب "نقوشِ حقانی" تحریر فرمائی جس میں انہوں نے اصل کتابوں کے تعارف کے ساتھ ساتھ تمام تحریروں کے اصل مرکزی مضمون کتاب کی روح اور اس کا عطر نچوڑ کر رکھ دیا ہے جس نے "نقوشِ حقانی" کی اہمیت اور افادانی عظمت کو دو بالا کر دیا ہے جس کی ترتیب و تدوین پر فانی صاحب ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں، کتاب کی جمالی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب عالی قدر نے مضامین کو سمیٹنے میں بڑی محنت فرمائی ہے پھر عنادین کی ترتیب کا ایک خاص انداز ہے جو ہر لحاظ سے جامع ہے۔ (قاضی محمد زاہد الحسینی)

سہ ماہی نقوشِ میوات

مدیر: شبیر احمد خان میواتی۔ قیمت فی پرچہ ۱۵ روپے۔ ملنے کا پتہ: میو فاؤنڈیشن لاہور

زندہ قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ اور ماضی کو زندۂ جاوید بنانے کی فکر میں رہتی ہیں۔ تاکہ ماضی کے آئینہ میں اپنے حال و مستقبل کا رُخ متعین کر سکیں۔ اور یہ بات خوش آئین ہے کہ کچھ عرصہ سے ہمارے ملک پاکستان میں تاریخ پڑھنے اور رکھنے کا ذوق کافی حد تک ترقی کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی قلیل عرصہ میں بہت سی تاریخی اور اسی میدان میں تحقیقی کتابیں سامنے آگئیں۔

میو قوم جو کہ ہندوستان کی آرین نسل کی پرانی قوموں میں سے ایک ہے اور ہندوستان کے وسیع وعریض رقبے پر مختلف علاقوں میں یہ لوگ آباد ہیں، عالمی تبلیغی تحریک کی وجہ سے اس قوم کا بہت چرچا ہوا۔ اور جہاں بھی تبلیغی جماعت کی تاریخ اور تحریک کا تذکرہ ہوگا۔ وہاں پر میواتیوں کا نام ضرور آئے گا۔

برادر محترم جناب شبیر احمد خان میواتی جو کہ مطالعہ کتب اور مقالات و مضامین کا انتہائی ستھرہ اور نفیس ذوق رکھتے ہیں اور آج کے اس مادہ پرستانہ دور میں جب کہ ہر شخص زر و دولت کے حصول کے لیے تگ و تاز میں مصروف ہے۔ اپنے آپ کو مطالعہ کتب اور تحقیقی ادبی تاریخی اور علمی کتابوں و مضامین کی جستجو کیلئے

وقف کرنا بہت ہی مشکل کام ہے ۔ چونکہ موصوف کا تعلق بھی اسی قوم (میو) سے ہے اس لیے انہوں نے اس سہ ماہی رسالے نقوش میوات میں میوات کے متعلق اور اس کی تاریخ و تمدن، ثقافت و تہذیب اس کے علمی، فکری، تاثر اور دیگر امتیازات و خصوصیات کے متعلق مضامین اور پُر مغز مقالات شامل اشاعت کرتے ہیں ۔ یہ ایک نہایت ہی مستحسن اقدام ہے ہمارا مشورہ ہے کہ بجائے سہ ماہی کے اگر اس کو ماہنامہ کیا جائے تو اس کا افادہ مزید ہوگا ۔ (محمد ابراہیم فانی)

رہنمائے فارسی شرح رہبر فارسی از مولانا محمد طاہر کوثر ۔ صفحات ۸۸، قیمت درج نہیں ۔ ناشر ۔ فرقانیہ پبلشنگ کمپنی دفتر ممتاز منزل گراؤنڈ فلور ۔ نزد کوہ نور بوٹ ہاؤس پتمبر اسٹریٹ رامسوامی کراچی ۳ ۔

رہبر فارسی ابتدائی درسی کتاب ہے جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل مدرس مولانا محمد طاہر کوثر نے اردو میں اس کی صرفی تحقیق نحوی ترکیب اور حل لغات پر مشتمل خوبصورت اور بہترین شرح رہنمائے فارسی کے نام سے لکھدی ہے جو مبتدی کے لیے بے حد نافع ہے ۔

قواعد الصرف (بترتیب جدید) ۷۶ صفحات کا یہ رسالہ بھی مولانا محمد طاہر کوثر کی رشحات قلم کا نتیجہ ہے جس میں قواعد ہفت اقسام اور ابنیہ صیغ و تعلیلات کو تمام شرائط کے ساتھ بہت ہی سہل اور منظم کر کے حل کیا گیا ہے ابواب کی خاصیات کو عام فہم اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ بھی فرقانیہ پبلشنگ کمپنی کی مطبوعہ ہے ۔ دونوں کتابوں کا ٹائیٹل خوبصورت اور رنگین و جاذب نظر ہے ۔

آزادی نسواں کا فریب تالیف ۔ مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم ۔ صفحات ۵۲، قیمت ۱۵ روپے ۔ ناشر ۔ میمن اسلامک پبلشرز ۱۸۸/۱ لیاقت آباد ۔ کراچی ۱۹

موجودہ معاشرے کی خرابی کا ہر جگہ رونا رویا جا رہا ہے، اور اس خرابی کی ایک بہت بڑی وجہ "عورتوں کی بے پردگی" ہے، جب تک اس کو نہیں روکا جائے گا ۔ اس وقت تک معاشرے کا سدھرنا مشکل ہے، اس برائی کی روک تھام کے لیے شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فلوریڈا، امریکہ میں ایک تقریر کی تھی ۔ جس میں پردہ کے شرعی احکام، اور بے پردگی کی ابتداء اس کا انجام بد گھریلو نظام کی درستگی کا طریقہ ضرورت کے وقت عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت وغیرہ بے شمار موضوعات پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے ۔ ہر مسلمان کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے، تاکہ وہ اپنے گھر کا ماحول اور باہر کا ماحول درست کر سکے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱. حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد ترتیب و تحشیہ : مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲. دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳. قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۴۰۰	۵۴ روپے
۴. عبادات و عبدیت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۸۸	۸ روپے
۵. مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۰۴	۱۰ روپے
۶. صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی	″	″ ″	۴۰۸	۷۵ روپے
۷. اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸. قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	″	″ ″	۹۶	۷ روپے
۹. کاروان آخرت (مجلد)	″	″ ″	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰. شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	″	″ ″		
۱۱. قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	″	″ ″	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲. قادیان سے اسرائیل تک	″	″ ″	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳. قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	″	″ ″	—	—
۱۴. میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	″	″ ″	—	—
۱۵. روسی الحاد	″	″ ″	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶. دفاع امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	″	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷. امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات (مجلد)	″	″ ″	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸. علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات امام ابو یوسفؒ ۔ امام محمدؒ (مجلد) جلد دوم	″	″ ″	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۹. ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰. امام اعظمؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست	″	″ ″	۶۴	۷ روپے
۲۱. خطبات حقانی (جلد اول)	″	″ ″	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲. کتابت اور تدوین حدیث	″	″ ″	۴۸	۷ روپے
۲۳. عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	″	″ ″	—	—
۲۴. مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	″	″ ″	۳۲	۵ روپے
۲۵. ساعتے با اولیاء (مجلد)	″	″ ″	—	—
۲۶. د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	″	″ ″	—	—
۲۷. کشکول معرفت	″	″ ″	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸. الحاوی علی مشکلات الطحاوی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹. منحاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	″	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰ روپے
۳۰. برکۃ المغازی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱. اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲. ارشادات حکیم الاسلامؒ	″	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳. عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴. دارالعلوم حقانیہ سے جامعۃ الازہر تک	″	″ ″	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵. دفاع ابوہریرہؓ	″	″ ″	—	—
۳۶. افادات حلیم	″	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷. حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	″	″ ″	—	—
۳۸. فضائل و مسائل جمعہ	″	مولانا امین الحق گستو حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

REGD. NO. P-90

فرمانِ رسول ﷺ..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)